روزنامہ صبح دکن حیدرآباد

سالگرہ نمبر

بتقریب سالگرہ ہمایونی خسرو دکن اعلیٰحضرت بندگانعالی

۱۳۳۹ف م ۱۳۴۸ھ م ۱۹۲۹ء

ایڈیٹر
احمد عارف

جوائنٹ ایڈیٹر
علی اشرف

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس ۱۸۰۰ گورنمنٹ ایجوکیشنل پریس حیدرآباد دکن

حیدرآباد میں

اسٹیشنری کی سب سے مشہور دوکان فدا علی محمد علی کی ہے جہاں اسٹیشنری کا ہر قسم کا سامان دستیاب ہوتا ہے ہر قسم کا کاغذ دوات قلم سیاہی پنسل وغیرہ واجبی قیمت پر ہمارے یہاں سے خریدیے یہی ایک دوکان ہے جہاں آپ کو اسٹیشنری سامان آپ کے حسب دلخواہ اور واجبی نرخ پر مل سکے گا۔

فدا علی محمد علی اینڈ سنس اسٹیشنری اینڈ پیپر مرچنٹ پتھر گٹی

مکتبہ ابراہیمیہ (امدادِ باہمی محدود) اسٹیشن روڈ حیدرآباد دکن

مطبوعات مکتبہ

(۱) روح تنقید — عمہ
(۲) تنقیدی مقالات مجلد — ۱۲ار
(۳) اردو کے اسالیب بیان مجلد — ۶ار
(۴) سلطان محمود غزنوی کی بزم ادب — ۱۲ار
(۵) اردو شہ پارے جلد اول مجلد — ے
(۶) دنیائے افسانہ — عمہ
(۷) کردار اور افسانہ مجلد — عہ
(۸) ارباب نثر اردو مجلد — ۴ر
(۹) دکن میں اردو — عں
(۱۰) خیابان اردو مجلد — ۱۲ر
(۱۱) جواہر کلیات نظیر — عہ
(۱۲) آثار الکرام — ۸ر
(۱۳) مبادی فلسفہ — ۱۴ر
(۱۴) اسوۂ حسنہ — ۸ر
(۱۵) دکنی لغت — ۸ر
(۱۶) قاموس الاغلاط مجلد — صہ
(۱۷) حدائق الاخلاق — عہ
(۱۸) تنظیم الاخلاق — ۱۲ار
(۱۹) خزینۂ اخلاق — ۶ر
(۲۰) شاہ رفیع الدین قندھاری — ۵ر
(۲۱) نیک بی بی (نظم) — ۲ر
(۲۲) چھوٹا شیطان (") — ۲ر
(۲۳) سیرت خیر البشر (") — ۲ر
(۲۴) سیرت مبارک (") — ۲ر
(۲۵) شعاع امید (") — ار
(۲۶) اردو حرف تہجی کا نقشہ باتصویر رنگین — عہ ۱۴ر
(۲۷) کسری پہاڑوں کا نقشہ — عہ ۸ر

شرکت مکتبہ

مکتبہ ابراہیمیہ ایک تجارتی کتب خانہ ہے جو انجمن ہائے امداد باہمی ملک سرکار عالی کی نگرانی و تحت میں ملک ہی کے مشترکہ سرمایہ سے اور ملک والوں کے ہی فائدے کیلئے قائم کیا گیا ہے اس کا مجوزہ سرمایہ ایک لاکھ روپیہ کے ایک ہزار حصص پر مشتمل ہے اجرا شدہ سرمایہ پچاس ہزار روپیہ کے پانچ سو حصص ہیں فروخت شدہ حصص کی قیمت پچیس ہزار روپئے ہے اور یہ اقساط میں ادا کی جا رہی ہے۔ ایک حصہ کی کامل رقم بیکشت ادا کرنے پر پہلے سال ڈیڑھ منافع دیا جاتا ہے تین سال سے دس (۱۰) فیصد منافع سہ ادائی زکواۃ تقسیم ہو رہا ہے تفصیلی قواعد و ضوابط اور شرکت کے فارم جلد طلب کیجئے۔

مطبع مکتبہ

مکتبہ کے تحت ایک مطبع بھی موجود ہے جو اپنی مطبوعات کے علاوہ بیرونی طباعت کا کام انجام دیتا ہے برقی مشین پریس بھی لگایا گیا ہے۔ جو عنقریب چالو ہو جائے گا۔

مجلہ مکتبہ

دکن کا بہترین علمی ادبی رسالہ ہے جو مولوی عبد القادر صاحب سروری۔ ایم۔ اے۔ ال۔ ال۔ بی مولوی سید محمد صاحب ایم اے اور مولوی عمر یافعی صاحب کی زیر ادارت۔ بہترین مضامین افسانوں نظموں۔ اور تصویروں کے ساتھ ہر ماہ شائع ہوتا ہے قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ نمونہ کا پرچہ چھ آنہ۔

مکتبہ ابراہیمیہ

میں

اردو زبان کی جملہ کتابیں ملکی بیرونی فارسی اردو انگریزی وغیرہ کی منتخب کتب کا ہر وقت معتدبہ ذخیرہ مہیا رہتا ہے۔ ہندوستان کے مشہور ماہواری رسائل بھی موجود رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ جملہ درسی و تعلیمی کتابیں اور دیگر ضروریات تعلیمی مثلاً نقشہ جات آلات تعلیمی سامان ڈرائنگ کنڈر گارٹن وغیرہ فراہم کئے جاتے ہیں۔

سائنس کی تازہ ترین تحقیقات

۱۸۸۹ء سے ۱۹۱۹ء تک ولایت کے ماہرین علم سائنس جوانی اور بڑھاپے کے راز کو معلوم کرنے میں سخت جد وجہد کرتے رہے ہیں لیکن ان کو کامیابی ہوئی۔ صرف جرمنی کے محکمہ حفظان صحت کے پروفیسر ۔ موئس بیچ۔ اس نتیجہ تک پہونچے کہ انسان کے جسم میں جو تبدیلیاں واقع ہوتی ہیں۔ وہ مختلف قسم کے غدودوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ اگر ان غدودوں کی اصلاح کرائی جائے تو انسان بوڑھا نہیں ہوسکتا۔ آخر سالہا سال کی سرتوڑ کوشش دو ہزار تجربات کے بعد ڈاکٹر رچرڈ ویرنرڈ (جو علم انسانی اور علم کیمیا میں جرمنی میں بے نظیر ماہر مانے جاتے ہیں۔ انہوں نے ثابت کردیا (عمل جراحی کو بالائے طاق رکھکر علم ترکیب اجسام کے نو دریافت ذرایع سے جوانی کے غدودوں کی اصلاح ممکن ہے اور انسان کے گمشدہ یارہول (جوانی کے قدرتی عروق) پھر پیدا ہوسکتے ہیں۔ بمطلب کیلئے ڈاکٹر موصوف نے جو جو دریافت کیا ہے اس کا نام (ویلین) رکھا ہے ویلین کا استعمال ان نوجوانوں کو کرایا گیا جو اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے جوانی کی قوت برباد کرچکے تھے۔ اور از سر نو جوان بن گئے غرض ویلین وہ چیز ہے جس کے استعمال سے بوڑھے آدمی کھوئی ہوئی طاقت کو دوبارہ واپس لاکر جوانوں کی سی طاقت اور خواہشات کو پورا کرسکتے ہیں (ویلین کے موجد نے عورتوں کے لئے بھی ایسا ہی ایک جوہر دریافت کیا ہے جس کا نام (فرلین) رکھا ہے یہ عورت کے لئے ویسی ہی چیز ہے جو ویلین مرد کے لئے ۔ فرمین کا استعمال ہر بانجھ عورت کیلئے بہترین چیز ہے جس میں کل سکے ہے بانجھ عورتوں کے لئے خاص کر مفید ثابت ہوئی ہے چونکہ شہرت کے لئے بہت کم اسٹاک آیا ہے لہذا آپ جلدی کریں اور آج ہی منگوالیں ایسا نہو کہ بعد کو کف افسوس ملنا پڑے ویلین کے ایک سٹ (۳ر) گرینڈ کی قیمت علاوہ محصولڈاک ایک عہ دو پاکٹ ۶۰ گولیوں کی قیمت نو روپیہ ۸ر محصولڈاک معاف ۳۰ گولی کی قیمت عہ محصولڈاک معاف۔ فرلین ایک پیکٹ (۳ر) گولیوں کی قیمت للعہ دو پاکٹ ۶۰ گولیوں کی قیمت (دعہ) ویلین فرلین کسی موسم کسی مزاج کو نقصان نہیں دیتا

ملنے کا پتہ ۔ ایم ۔ این برادرس کشمیری گیٹ (دہلی)

دواخانہ احسانیہ کیوں مشہور ہے؟

اس لئے کہ یہاں حیرتناک امراض کا علاج ہوتا ہے۔
اس لئے کہ کہنہ سے کہنہ مریض بھی صحتیاب ہوئے ہیں۔
اس لئے کہ تشخیص اور تجویز میں دلچسپی لی جاتی ہے۔
اس لئے کہ لاعلاج امراض کا بھی کامیاب علاج ہوتا ہے
اس لئے کہ غربا کا علاج مفت کیا جاتا ہے
اس لئے کہ دوائیں بے ضرر زود اثر اور خوش ذائقہ ہوتی ہیں۔
اس لئے کہ ہزارہا مریض صحتیاب ہوچکے ہیں۔
اس لئے کہ بچوں اور مستورات کا علاج بھی کامیاب ہوتا ہے۔

منیجر دواخانہ احسانیہ اندرون شہر دبیر پورہ حیدرآباد دکن

معجز نما علاج

اکسیری کراماتی معجز نما دواخانہ حکیم سید محمد احسن مسکن نوری

(موجد علاج بلا اپریشن) بازار حسینی میان نمبر ۱۹۲ مسجد صلابت علیہ صاحب کے روبرو۔ دہلی

کل امراض اور لاعلاج امراض بچے بوڑھے عورتوں کے دیکھنا ہے تو تماشے کی طرح علاج کرواکر دیکھئے سسکتے تڑپتے آتے اور ہنستے اچھلتے جاتے ہم نے تو دیکھا ہے آپ بھی دیکھئے ایک مخلوق تجربہ کاران خصوصاً میر منور علی منتظم شش گلشن آباد میدک وغیرہ وغیرہ۔

فہرست تصاویر
حضرت اقدس و اعلیٰ و الاحضرت
نواب اعظم جاہ بہادر، نواب معظم جاہ بہادر، دربار مسند نشینی ۱۹۱۱ء ریاست دتیا میں حضور والا کی رونق
افروزی، ٹاؤن ہال میں ایڈریس کا جواب حضور پر نور اسٹیٹ کیا یہیں بانی سلطنت آصفیہ حضرت آصفجاہ اول
اعلیٰحضرت غفران مکان، نواب افضل الدولہ بہادر، نواب ناصر الدولہ بہادر، نواب سکندر جاہ بہادر، نواب میر نظام علیخاں بہادر
نواب صلابت جاہ
قطعہ اعلیٰحضرت بندگانعالی بتقریب سالگرہ
فہرست مضامین
غزلیات برطرح حضرت ظل سبحانی بتقریب سالگرہ مبارک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ کہ آج رعایا و نمک خواران سلطنت ابد مدت کو اپنے آقائے نامدار حضور بندگانعالی خسرو دکن خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی پینتالیسویں سالگرہ منانے کی سعادت نصیب ہوئی۔

حضور بندگانعالی کا دور مسعود حیدرآباد اور حیدرآبادیوں کیلئے جسقدر برکات و مرام کا باعث ثابت ہوا ہے اسکی نظیر پچھلے دور حکمرانی میں تلاش کرنا ایک فعل عبث ہے۔

ہر حکمراں خانداں میں صدیوں کے بعد ہی ایک آدھ فرد فرید ایسا پیدا ہوتا ہے جو صحیح معنوں میں اپنے ملک کا بادشاہ اور بانی خاندان کا سچا جانشیں ہوتا ہے۔

بادشاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ دلوں کا بھی بادشاہ ہوتا ہے۔ اور سب سے اچھی حکمرانی وہی ہوتی ہے جو دلوں کو موہ لیتی ہے اور جس بادشاہ میں یہ صفات ہوتی ہیں اسکی رعایا پرستش کی حد تک اس سے محبت کرنے لگتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ حیدرآبادی بھی اپنے بادشاہ ذیجاہ کے اس رشتہ سے پرستار نظر آتے ہیں اور بلا تفریق مذہب و ملت سب غمخوار اور ہر سول اس موقع پر بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہوتا ہے کہ ”خداش در رہا یونی“ کو ملک پر تا دیر سایہ آفگن رکھے“ اس مبارک تقریب پر ناچیز ”صبح دکن“ بھی نہایت خلوص و عقیدت سے بارگاہ خسروی میں یہ حقیر نذرانہ پیش کرتا ہے فقط

جاں نثار ملک و مالک احمد عارف ایڈیٹر روزنامہ صبح دکن

غزل

از خسروِ شیریں سخن حضور پرنور اعلیحضرت بندگانعالی خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ

مقامِ قدس و مصحفِ ذظہور است
بہ جنّت جوشِ صہبائے طہور است

بہ موسئے لطف شد اعجاز روشن
ید بیضا بکف چوں شمع طور است

چہ مشکل در نجاتِ من کہ خالق
رحیم و ہم کریم و ہم غفور است

جہاں از جلوہ ات معمور و مملو
نہ بینم گر ترا از من قصور است

ہمہ ارواح در تسبیح و تہلیل
بہ گردِ عرش و مشکواتِ نور است

چہ رنگ آورد ایں فصلِ بہاری
گل و ریحاں و سنبل در وفور است

بہ بیں عثماں کہ بہر خیر مقدم
تبسّم ریز غنچہ ہم طیور است

غزلیات برطرح حضرت سبحانی

از حضرت نواب صلابت جاہ بہادر المتخلص بہ آصفی

ثبوتِ فیضِ ساقی در ظهور است
بدست میکشاں جام طهور است

بشارت داد ساقی سقٰهُم
بہ جنت جوشِ صہبائے طهور است

دلِ موسیٰ نہ چوں پروانہ گردد
جمال جانفزایت شمع طور است

امیدِ مهر و خوفِ قهر دارم
بہ کف پیمانہ برلب یاغفور است

بگو بعد فنا اِنّیٓ اَنَا الحق
ولیکن در خودی عینِ قصور است

زہے شانِ جلالی و جمالی
بہ شکل ذرّہ ذرّہ مہر نور است

شود از بحرِ رحمت آصفی پاک
اگرچہ گردِ عصیاں در وفور است

از حضرت نواب کاظم جاہ بہادر المتخلص بہ کاظم

ز احسانت وجودم را ظهور است
تو نوری ہر دو عالم عکسِ نور است

مکاں و لامکاں شد از تو پُر نور
بجود ہر ذرّہ رشکِ برق طور است

مکن زنهار زاہد عیبِ رنداں
نمی دانی خدائے ما غفور است

بہ تشریف تو اے بادِ بہاری
چمن را خلعتِ گل در وفور است

ز فیضِ جشنِ عشرت ہمچو فردوس
دکن معمور از حور و قصور است

لبِ ہر غنچہ مصروفِ تبسّم
ترنم ریز در بُستانِ طیور است

بیا در بزمِ شہ کاظم کہ امروز
برائے میکشاں جام طهور است

از حضرت نواب حشمت جاہ بہادر المتخلص بہ حشمت

به هر ذره شعاعِ برقِ طور است ‖ عیاں در پرده و بے پرده نور است
جمالِ تست هر جا جلوه آرا ‖ مگر در چشمِ کج بنیاں قصور است
چرا باشد تامل در نجاتم ‖ خداوندم رحیم است و غفور است
نگارا تا کجا در پرده مانی ‖ بهر نوعے چو شانت در ظهور است
دو گونه مژده ده ساقی به مستاں ‖ گل و مل در بهاراں در وفور است
چه رنگست از قدومِ موسمِ گل ‖ خوش و خرسند غنچه هم طیور است

زہے بزم شہ عثماں کہ حشمت
بدستِ میکشاں جامِ طهور است

از حضرت نواب تقی جاہ بہادر المتخلص بہ تقی

صفاتِ ذاتِ باری در ظهور است ‖ زمیں تا آسماں مملو ز نور است
ازاں برقے که موسیٰ گشت مدهوش ‖ اثر تا حال در ذراتِ طور است
گنه از بنده بیند پرده پوشد ‖ چها خالق حلیم است و غفور است
تو نشنیدی که زاهد رحمتِ حق ‖ برائے بندگانِ پر قصور است
بده ساقی مرا امروز جامے ‖ ازاں صهبا که در جنت طهور است
چساں جا گرد اندر دلِ من ‖ بداں خوبی که هر دم در وفور است

تقی اینجا چه ذکرِ ساز و مطرب
ز عشرت نغمه سنجی در طیور است

غزلیات بر طرح اعلیٰحضرت بندگانِ عالی

غزلیات برطرح اعلیحضرت ظل سبحانی

بتقریب سالگرہ مبارک

از نواب ضیا یار جنگ بہادر ضیا

قطعہ

ضیا سنگیں مکن فکر غزل را   جواب شاہ از آداب دور است
سخن سنجان دولت را خبر نیست   کہ این تعمیل فرمان حضور است

غزل

بہر سو جلوہ گر شان ظہور است   سراپائے محمد را کہ نور است
علوئے رتبۂ آن قدس منزل   ہویدا از حدیث عرش و طور است
بقرآن منحصر نعتش نباشد   کہ در تورات و انجیل و زبور است
پناہ انبیا روز قیامت   محمد شافع روز نشور است
گناہ بندگاں را عفو سازد   محمد مظہر شان غفور است
بہ امت کوثر آرای مبارک   محمد قاسم حور و قصور است
غم از دل می برد صہبائے عشقش   مطہر را توان گفتن طہور است
ببال شوق در پرواز آید   دل من واقف سیر طیور است

ضیا از گریہ و آہم چہ پرسی
نہاں در ابر رحمت برق نور است

حضرت مولانا مولوی حاجی محمد عبد القدیر صاحب پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ

رخ خیر الوری چوں شمع طور است   دل ختم رسل مشکوٰۃ نور است
ز عشق سید ابرار مستم   بسر سر جوش صہبائے طہور است
اگر داری دلا چشم حقیقت   بہر ذرہ فروغ شمع طور است
دلا برخیز چشم از خواب بکشا   کہ خورشید حقیقت در ظہور است
مرا در میکدہ بگذار واعظ   امید عفو از رب غفور است
مبین بر من ببین بر خود الہی   ز لطف و کرم واز من قصور است

ز لطف ساقی مے خانہ حسرت
سر مینائے صہبائے طہور است

از جناب ملا عبد الباسط صاحب مصنف مدہرہ ورنگل

رخ پر نور او یا شمع طور است   کہ چشم خیرہ یارب این چہ نور است
تو ہم اے سرو رعنا نغمہ سنج   کہ در گلزار گلبانگ طیور است
چہ سود از شرح الفت پیش زاہد   نمی بینی کہ در فہمش قصور است
شود شام عدم تعبیر زلفش   بیان حسن او صبح ظہور است
تو اے واعظ اگر کن بستم را   گنہگارم اگر من او غفور است
ز عشق پاک و کیف چشم مستش   دل من جام صہبائے طہور است

نگنجد در لباس شعر صاحب
خیال من کہ در جوش و فور است

از جناب مولوی محمد عبد اللہ خاں صاحب کامل محافظ دفتر دیوانی

ز روئے خندہ دو عالم صبح نور است   ز زلف عنبرینش شام طور است
ہمہ پیشینیاں گفتند و رفتند   عدم تصویر مرآۃ ظہور است
چہ پرسی از نواز شہائے شاہاں   ست کہ ہم بہ پرواز طیور است
کدورت راز دلہا دور سازد   شراب عشق صہبائے طہور است
نجات عاصیاں العیت برہاں؟   بگو کا تقنطو نعت غفور است
چہ سازم لحظہ عیش جہاں را   مقام خلد ما خور و قصور است

سخن آراست کلک شاہ عثماں
کہ جوش طبع کامل در وفور است

از جناب مولانا صدر الواعظین صوفی محمد عبد القادر صاحب قبلہ

محمد جان موسی عین نور است   کہ رویش در حقیقت شمع طور است
نیاز لے دلبری روئے سیاہت   کہ این آئینۂ رب غفور است
نیاز ساقی و مے میکدہ نیست   دل من پر ز صہبائے طہور است
بر اوج عرش احمد ریختہ پر   چو طیر سدرہ اینجا صد طیور است
نگر معراج عرش رحمت او   یقین میداں کہ اقرار ظہور است
چو شوق شہر تش پردہ بر انداخت   ز ردیش گرم باز ار ظہور است

ز جوش فیض مستاں در دل راز
نموج با تموج در وفور است

از مولوی میر قاری روشن علی صاحب سنا معلم حضرات شاہزادگان بلند اقبال

بہر جا جلوۂ او در ظہور است   چو در دل جوش صہبا طہور است
بہ بینم پرتوئے آں جلوۂ یار   ہمے در جام گہ بالائے طور است
ز مینائے دخت رز روشن جہاں شد   درون جام بلوری چہ نور است
ترار بزند بر ہر شاخ گلبن   بہ گلشن شور گلبانگ طیور است

کشم از دست ساقی ساغر مے ۔۔۔ ہمیدانم کہ رب من غفور است

چہ منی اختراں بر روئے گردوں ۔۔۔ ز داغ سینہ بر افلاک نور است

نوا انگیز منظور است امروز

چہ کج آہنگ گلبانگ طیور است

از جناب منظور حسین صاحب ماہر القادری

جہان نو عجب دنیائے نور است ۔۔۔ کہ ہر ذرہ بخوبی رشک طور است

بہ ہر جانب کہ نگرم در دست یا بم ۔۔۔ زہے رحمت عجب شان ظہور است

بہ تحسین خون لبنیاں گشت قاتل ۔۔۔ کہ ہر بسمل بگفت این خوب تر است

فراوانی جلوہ می فرسید ۔۔۔ محبت راہمین راز و فور است

بہ این وقت سحر جوش مسرت ۔۔۔ کہ ہر غنچہ ہم آواز طیور است

برائے کشتگان عشق احمد ۔۔۔ بہ جنت جوش صہبائے طہور است

مشو اندوہگیں ماہر ز عصیاں

کہ حامی رحمت رب غفور است

از جناب مولوی سید باقر صاحب منصب دار المتخلص بہ کاشف ساکن حویلی قدیم

بسال نو چو خورشید ظہور است ۔۔۔ جہاں سرسبز عشرت در ظہور است

بدور کاخ شہ جمع اند عشاق ۔۔۔ محل جلوہ گاہش کوہ طور است

بیا ساقی بدہ جامم پیا پے ۔۔۔ مئے جلس چو صہبائے طہور است

صدائے قلقل مینا بر د ہوش ۔۔۔ چہ دلکش در چمن صوت طیور است

تا بدانجم اقبالش بر افلاک ۔۔۔ زمین چون ز انجلیش لوح نور است

پے اعدائے شہ قہار قہار ۔۔۔ پے احباب شہ رحمن غفور است

خوش آن روزے کہ رحمت از رہ لطف

دہد این مژدہ کاشف بے قصور است

از جناب مولوی محمد رحمت اللہ صاحب خوشدل منشی فاضل

جہاں معمور از آں ذات نور است ۔۔۔ بذات او بدو عالم ظہور است

مبارک سیر ایمن با تو موسیٰ ۔۔۔ مرا ہر سنگ شہر کوہ طور است

ثنا ز مصطفےٰ و حمد خالق ۔۔۔ بہر گلشن بمنقار طیور است

گواہ خوبیٔ شاہ خوباں ۔۔۔ پر از تورات و انجیل و زبور است

نعیم خاص آں ذات محمد ۔۔۔ اگر در قسمت حور و قصور است

چہ باک از تشنگی روز محشر ۔۔۔ بدست ساقیم جام طہور است

چو دانستم بہ آخر گشت روشن ۔۔۔ نہ دانستن مرا از من قصور است

مترسانم ز عصیاں ہائے خوشدل

برو نا داں خداوندم غفور است

از جناب مولوی سید نصیر الدین حیدر عابدی صاحب اصغر تلمیذ حضرت نظم طباطبائی

ضیائے شمع وحدت در ظہور است ۔۔۔ بروں از پردۂ فانوس نور است

دلم بیہوش شد از تاب رویش ۔۔۔ کلیم این است و آں برق طور است

ز خون آرزو ہائے دل من ۔۔۔ چہ دل فوارۂ زخمم و فور است

بدہ پیر مغاں مے در ایام ۔۔۔ برو ناصح خدائے ما غفور است

بو حدت کثرت و وحدت بکثرت ۔۔۔ شہودش غیب و غیب او ظہور است

دلم سوز و صدائے خندۂ گل ۔۔۔ جواب نالۂ عشق طیور است

بجنت ساقی تسنیم آصف

بہ جنت جام و حور است و قصور است

از جناب مولوی سید ابو القاسم صاحب سرور نگراں کار شاخ تصحیح دفتر تالیف و ترجمہ

حقیقت در حجابات ظہور است ۔۔۔ بیں این پردہ ہا اسرار نور است

بیا در وسعت عرفاں کہ بینی ۔۔۔ بہر منزل ز حیرت صد قصور است

دلم ساقی ایا غم چشم حق بیں ۔۔۔ شرابم رشک صہبائے طہور است

منال از شکوہ تنہا دلم بہ بازار ۔۔۔ کہ از رانی نرخش بر فتور است

ز برق جلوہ آتش در خرمن ہوش ۔۔۔ ہماں افسانۂ موسیٰ و طور است

چہ ترسانی مرا واعظ ز محشر ۔۔۔ نمیدانی خدائے ما غفور است

طرب زار نوا شد جنت گوش

سرور ایں نغمہ سنجی طیور است

از جناب مولوی حکیم ابو الفضل میر عباس حسین صاحب رضوی راسخ

تو ئی مظہر تو ئی ہر جا ظہور است ۔۔۔ کہ گنج مخفی دنیائے نور است

ببین تاثیر حسن شعلہ افزا ۔۔۔ کہ کحل چشم خاک کوہ طور است

چہ اطمینان حال زار نرگس ۔۔۔ کہ این خبر گل زبانی طیور است

کرم اے موج بحر حسن افزا ۔۔۔ کہ سیل بیخودیم راو فور است

بہ نیساں ز ازل مست الستم ۔۔۔ مراد ر آب ہم ذوق طہور است

نیاید از من مجبور کارے ۔۔۔ بمن گو نسبت جرم و قصور است

عجب زندم کہ راسخ بے گناہم

بدستم جام مئے بر لب غفور است

از جناب مولوی قدرت علی صاحب قدرت وکیل ہائیکورٹ ضلع آصف آباد

نزول رحمت حق در ظہور است ۔۔۔ بہ جنت جوش صہبائے طہور است

بیا زاہد بنوش ایں بادۂ عشق ۔۔۔ شراب بحر وحدت در وفور است

مجسم گر چہ ایں بندہ قصور است ۔۔۔ مگر آں عز و جل رب غفور است

چو در قسمت نوشتی نفع و نقصاں ۔۔۔ چہ این ناچیز بندہ را قصور است

چہ گویم از زبانم رب ارنی ۔۔۔ تجلی گاہ در دل کوہ طور است

چہ پرسی حال انسان و ملائک ۔۔۔ ثنا خوانش د دو دام و طیور است

ببیں در لالہ و گل قدرت حق

نمایاں جلوہ اش در نار و نور است

از جناب مولوی سید افضل شاہ صاحب المتخلص بہ طوفان مقیم محلہ نواب بالم جنگ

تو اے شاہ دکن شید آئے نور است ۔۔۔ سراپا ہادی و شان غفور است

ہلال شہر رجب را چو دیدم ۔۔۔ در آغوشش عروج نو ظہور است

ز لطف ساقی کوثر بنوشم ۔۔۔ شراب یاد حق ہر دم طہور است

بنام عقل طفل اللہ بینم　　کہ ضیغم شکل طاؤس و طیور است
لباس سادہ بر جسم توائے شاہ　　تہ دامن ابر رنگ شمع طور است
غزل پر کیف و دیدہ مست گشتم　　قصور من درین دم بے قصور است
بخوان انا فتحنا زود طوفان
کہ جوش بحر رحمت در وفور است

از جناب مولوی سید یوسف تنہا ساکن مثالہ حال اندرون یاقوت پورہ

ایام مولد نبی حوران غور است　　بہ جنت جوش صہبائے طہور است
اذان مسعود بسل خیر مرسل　　بہ جنت زیب رخ حور و قصور است
شجر باغ محمد گوہرس آید　　بر آن زرین بال ہر لب طیور است
گرفتہ عرش از کفش محمد　　جبین حسنے کہ یاب نور بر نور است
برفت از عرش تا عظمت محمد　　شب معراج راز حق ظہور است
معہ نعلین احمد رفت بر عرش　　کلیم اللہ برہنہ پا بہ طور است
مشو از جرم خود در یاس تنہا
کہ او بخشندہ مالک غفور است

از جناب مولوی محمد عبد اللطیف صاحب رشید یادگیری

رخ خوبے نگارم شمع طور است　　دلم پروانہ او بے قصور است
بحسنش شیفتہ صورت گر او　　چہ صورت صورت مرآۃ نور است
بہ گلگوں عارضش بلبل غزل خواں　　بہ مدح طرۂ زلفش طیور است
ز لعل او شہیداں را حیاتے　　خرامش شور رستخیز صور است
کند خال رخش نکتہ نوازی　　خطش منشور رحمت در سطور است
بذوق بوسۂ آں شکرلب　　بہ جنت جوش صہبائے طہور است
رشید یادگیری ہر زمانے
دعا گوئے و مداح حضور است

از جناب مولوی حکیم ابو الفیض فقیر احمد صاحب عمدۃ الحکما اندرون فتح دروازہ

بہر جا شاہ عثماں در ظہور است　　ز آرائش ہمہ نور است و نور است
بہ فیض شہ رعایائے دکن را　　بہر دم عیش و عشرت در وفور است
نشاط سالگرہ شہ بہ عالم　　بفضل و رحمت رب غفور است
جہانے بہرہ مند از لطف عثماں　　بہ باغ این نغمہ در لحن طیور است
زہے بحر سخاوت بخشش وجود　　کہ ہر جا گوہر آں در ظہور است
بماند اختر اقبال تابان　　دکن از جلوۂ شہ شمع طور است
تمنا ایم تر عقبی دیدن تو　　نہ زاین باعث کہ حور است و قصور است
ببین ساقی سفال تشنہ کاماں　　شرابے دہ کہ نام او طہور است
مبین جرم فقیر بے نوائے
ز تو عفو و ز ما ہر دم قصور است

از جناب مولوی نوبات حکیم نجم الدین صاحب امین صاحب انجمن حیدرآبادی

سراپا بندہ گو جرم و قصور است　　امید از آں از آنکہ تو رب غفور است

نہ حمد ذات تو در جن و انسان　　کہ تسبیح تو در لحن طیور است
ببین داری اگر چشم بصیرت　　کہ ہر جا جلوۂ صد برق طور است
چہ پرسی راز تخلیق محمد　　بذاتش جملہ عالم را ظہور است
چگونہ سایہ اش بودے بہ دنیا　　کہ اصل ذات پاکش عین نور است
نشوید داغ عصیاں را ز دامن　　چو اشک انفعالم را وفور است
نباید زہد تو در کار رحیم
اگر اندیشۂ فور و طہور است

از جناب مولوی حکیم میر امام الدین صاحب حکیم معینیہ دواخانہ یونانی تعلقہ

درین نازل تجلیات نور است　　دلے دارم کہ رشک کوہ طور است
بہ دیر و کعبہ جستن حاجتے نیست　　کہ ہر جا جلوۂ تو در ظہور است
ز کیف حب احمد مست گشتم　　دماغم پر ز صہبائے طہور است
چو دیدم چشم ساقی فاش گفتم　　بہ گردش جام صہبائے طہور است
دلم کیف ولائے یار دارد　　درین ساغر مئے ناب طہور است
چہ خوف از پرسش روز قیامت　　کہ تو شافع خدائے ما غفور است
ز رحمت کن نظر اے رحمت حق
کہ سرتا پا ہمہ جرم و قصور است

از جناب مولوی غنی الحق صاحب

خورشار و زیبہ بعضش بہ نور است　　ظہور نور او از شمع طور است
چہ روزے روز میلاد شہ ما　　کہ ذاتش سایۂ رب غفور است
بہ این تقریب مسعود و مبارک　　بدلہا شادمانی را وفور است
در این آوان بقبول شاہ عثماں　　تبسم ریز غنچہ ہم طیور است
مگر باد صبا آمد ز فردوس　　کہ جوش موج صہبائے طہور است
بہ بزم ساغر و ساقی بہ پہلو　　بہ شکل کوثر و حور و قصور است
الٰہی شاہ ما پایندہ بادا　　کہ از حسن طفیلش این ظہور است
غنی الحق کہ آصفجاہ سالک
مجسم رحمت رب غفور است

از جناب مولوی محمد فخر الدین الکمائی صاحب رازی ساکن آلندہ تعلقہ

سرورم بیش از حد وفور است　　بدستم آمدہ جام طہور است
مشو غافل بشر از یاد مولا　　یہ من التقدیس در لحن طیور است
بہ این جلوہ او نیست مخصوص　　دلا ہر جا کہ بینی شمع طور است
مرا کافیست کوئے دلبر من　　پئے زاہد ہمہ حور و قصور است
بہ شان مصطفیٰ لولاک آمد　　دو عالم را ہماں جبہہ ظہور است
چہ نسبت سایہ را با جسم پاکش　　کہ او سرتا بہ پا نور است نور است
مکن تشویش رازی روز محشر
رسول تو رحیم و حق غفور است

از جناب مولوی میر قدیر الدین صاحب رئیس مدرسہ وسطانیہ کلیانی

محمد مطلع انوار نور است   دو عالم باعث کون ظہور است
اسیر بیدار نوشی جام بر جام   بجنت جوش صہبائے طہور است
بغیر از نعمت دیدار یا رم   نہ طبع حور و نے طبع قصور است
مرو اینجا و آنجا مثل موسیٰ   بہ بین دل جلوہ گاہ کوہ طور است
نہ سیلاب موج جرم و عصیاں   نہاں دریائے رحمت در وفور است
ثنائے نغمات در گلشن و دشت   ز منقار صدا ہائے طیور است

بیک نیکی بہ بخشیدن گناہاں
نذیر این بخشش رب غفور است

از جناب مولوی محمد امیر الدین صاحب انصاری میر دکمل صدہ محمن انصار اللہ دیر الف

مسرت خیز سکیش در وفور است   بہ محفل در صہبائے طہور است
بہ جشن تہنیت سالگرہ شد   ترنم ریز در گلشن طیور است
سخاوت فیض بخشی شاہ عثماں   بیان شمس در عالم ظہور است
شہ ملک دکن از فرط شادی   منور چہرہ اقدس ز نور است
منور گشت سایہ حیدر آباد   بجا گویند رشک شمع طور است
الہی رحم فرما بر غریبم   عفو کن ہر چہ او جرم و قصور است

امیر خستہ جاں را کئے نہ بخشی
مدامی بر زبانش یا غفور است

از جناب مولوی میر رحمت علیخاں انصار رفیق تلمیذ حضرت توفیق

بگلشن شاہد گل در ظہور است   ترنم ریز آواز طیور است
نہ ذرہ ذرہ انوار الٰہی   عیاں است گرمی بزم قصور است
ز نور انبساط گرست آتشہ   دکن غیرت دہ صد رشک طور است
بگوش مے پرستان گفت ساقی   بہ جنت جوش صہبائے طہور است
ز فیض شمس دین و نور رحمی   بجانم جوش زن دریائے نور است
بیائید اے گنہگاراں بیائید   کہ جوش رحمت حق در وفور است
بہر شرتہ بدعت رفیقاں   بناز و بندہ رب غفور است

رفیق از دار و گیر حشر بر سی
نہ دانی بندہ رب غفور است

از جناب مولوی سید جلال الدین صاحب توفیق حیدر آبادی مرحوم

قطعہ

فرمان ترا ماہ سے تا ماہی ہو   بازو میں تیرے زور ید اللٰہی ہو
پرچم میں ہو ہلال تیرے لشکر کا شہا   خورشید ترا تاج شہنشاہی ہو

ما چہ بیچواریم یارب ہر کہ آید سوئے ما   میزند ساغر بسنگ آبرو بر روئے ما
ما اسیر رنگ نیرنگ تماشای خودیم   حلقہ دام نظر شد حلقہ گیسوئے ما
ما بہ گلزار تمنا صد بہار آوردہ ایم   غازہ میبالد برنگ خون ما بر روئے ما
ما اسیر وحشت از بیداد فریاد خودیم   نالۂ ما شد کمند گردن آہوئے ما
ما امیدانیم جز خاک رہ حیرت شدن   سرمہ شد در چشم ناکامی غبار کوئے ما
ما سراپا از تف داغ جنون آتش بدیم   حلقۂ زنجیر آتش دیدہ شد بر موئے ما

ما کہ از توفیق در حیرت فروشان خودیم
آئینہ حیرت فروشی میکند بر روئے ما

از جناب مولوی محمد عبد الکریم صاحب ہاشم اہلکار نظامت طبابت

گر گفتہ است این کہ ہاشم بے قصور است   نگاہش بر الم و بر لب غفور است
ہوشم یا نوشم ساغر مے   مبر منش عیش و عشرت در وفور است
خیال آں رخ گلشن کہ دارم   دل من جلوہ گاہ برق طور است
از اوج و منزل خود خواہد افتاد   چرا آں شوخ مشتاق طہور است
مرا پیر مغاں ہر دم خور اند   مے الفت کہ مشہور از طہور است
بہ بینم در دل خود نور جاں را   ہمیں عرش و ہمیں قندیل نور است

نمی شنوم چو گلبانگ انا الحق
کنوں گر نغم بر آواز طیور است

از جناب مولوی حسین خلف محسن بن علی صاحب حمید اعروب المتخلص فدا ئی

بہر سو حسن خالق در ظہور است   بہ بینی گر بچشم قلب نور است
مئے الفت کہ یار حور وش داد   بہ مستی رشک صہبائے طہور است
تجلی رخش یاراں میرسید   کہ قلبم سوختہ چو کوہ طور است
مدار از من طمع انکار صہبا   مگر از جانب ساقی قصور است
خرابم کرد صہبائے محبت   کہ کیفش ہر زمانم در وفور است
خیال گلعذاران در سرم ہست   بگوشم نغمہ صوت طیور است

بہ عفوش کن نظر مے خور فدائی
گنہگاری و لیکن رب غفور است

از جناب مولوی خواجہ محبوب علی شاہ صاحب

ناچیز

مدرس مدرسہ سدا سیو پیٹھ

دکن کردی مسرت در ظہور است   بہ جنت جوش صہبائے طہور است
چہ می پرسی ہمہ مئے عکس فطرت را   وفور است بعد نور است در وفور است
رجب آغاز شد یا موسم گل   ز دل محو نوا سنجی طیور است
درین نوروز لذاتے کہ دارم   وہم حول شرح گر طبعم قصور است
ضیا پاس است مہر صبح گاہی   سپاہ صف کشیدہ غرق نور است
تماشہ رفتہ از خود زین تماشا   تفنگ و توپ گوئی کوہ طور است

کہ تہنیت مبارکباد ناچیز
کہ اینجا شاہ و ما آنجا غفور است

قطعہ

از اعلیحضرت بندگانعالی بتقریب سالگرہ مبارک

جلوہ گر ہیچو قمر سالگرہ را بینیم
بہرہ اندوز طرب ہر کہ و مہ را بینیم
مژدہ ات باد کہ من کاہکشان را حتما
بر سر نصرت و اقبال تو شہ را بینیم

قصیدہ بطرح غزل اعلیحضرت

بتقریب سالگرہ مبارک

از مولوی مسعود علی صاحب محوی بی اے (علیگ) سابق ڈسٹرکٹ جج

مبتاب اے مہر ہنگام ظہور است
جہان منتظر جویائے نور است

بر آمد از افق صبح سعادت
فروزاں وادی فاران طور است

رواج جہل و ظلمت برطرف شد
متاع دیں و دانش در وفور است

قرار نیک و بد از خویشتن بیت
سروش وحی کشاف امور است

ز سوز سینۂ اخلاص کیشاں
شرر افتادہ در جاں شور است

شہید شیوۂ صدق و صفا را
حیات جاودانی در حضور است

دعائے خستہ جاناں در دل شب
پئے گم کردہ راہاں شمع طور است

فلک ہمت فزائے خیر و خوبی است
جہاں بیگانہ از فسق و فجور است

نوائے دلکش اللہ اکبر
شفا بخش جراحات صدور است

نوا سنج اند مرغان سحر خواں
تو گوئی نے بہ منقار طیور است

در خمخانہ ایماں کشادند
دل اہل الیقیں وقف سرور است

حدیث و دست گو و انحطا، دریں بزم
چہ جائے قصۂ حور و قصور است

بکش جامے ز صہبائے تولا
ابا کردن ازیں مے نکرو زور است

بیائے ناز ساقی سر نہادن — علاج علت کبر و غرور است

سوال مے ز ساقی ناروا نیست — کہ ساقی مہرباں دل ناصبور است

اگر مے نیست، چشم مست ساقی — بقول شاہ "صہبائے طہور" است

خدیو پر ہنر عثمان علیخاں — کہ فضلش شہرۂ نزدیک و دور است

مرصع نثر او چوں عقد پرویں — مسلسل نظم او چوں زلف حور است

جواب شعر او یارائے کس نیست — عیاں ایں نکتہ بر اہل شعور است

چو تشریحش کنی تفسیر آیات — چو در لحنش کشی نظم زبور است

درخشاں گشت اندر سلک نظمش — ہر آں گوہر کہ در جیب بحور است

معانی در سواد گفتۂ او — بیاض روشن بین السطور است

بروخط آنکس از نظم روانش — کہ بر بحر سخن او را عبور است

بحق دشمنان ملک او ملت — صریر کلک او آواز صور است

بجاں می پرورد اہل ہنر را — ہمیں مرسوم شاہان غیور است

پے افزونی اقبال و جاہش — دعائے ما رواح است او نکو است

حساب عمر او یارب رواں باد — حساب سالہا تا از شہور است

ببارائے ابر رحمت بر تر و خشک — جہاں پژمردہ از باد حرور است

مقدر را چہ باید کرد محوی — کہ توفیق اطاعت در قصور است

گنہ از بندۂ بیچارہ آمد
امید بخشش از رب غفور است

اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹر چار مینار حیدرآباد

مشرق ہمیشہ سے بادشاہ پرست رہا ہے کیونکہ وہ اس زبردست ہستی کو اپنا ملجا اور ماوا سمجھتا ہے ملک کی فلاح اور بہبود کی ساری توقعات اسی والا ذات گرامی سے وابستہ ہوتی ہیں۔ مسلمان اگر اس عظیم المرتبت ہستی کو ظل اللہ کہتے ہیں تو دوسری اقوام دیوتا مانتے چلے آئے ہیں ہم اپنے بادشاہ کو ظل اللہ مانتے ہیں اور ہمارا یہ ایمان ہے کہ اسی آستانہ سے سب کچھ وابستہ ہے واقعی وہ قوم بڑی خوش قسمت ہے جسکو ایسا روشن خیال اور اولوالعزم تاجدار ملا ہے اور وہ ملک بہت خوش نصیب ہے جس میں بادشاہ رحمت بن کر اترتا ہے، ملک پھلتا پھولتا ہے اور اس کے "ظل" عاطفت میں امن و آسائش کی دولت سے بہرہ ور رہتا ہے۔

بادشاہ پرستی کے متعلق لارڈ مکالے اپنے مضمون میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ "بادشاہ پرستی اسی ملک کے باشندوں کو زیبا ہے جہاں بنی نوع انسان کی محنتوں اور کوششوں کو آزادی کے ساتھ بارآور ہونے کا موقع حاصل ہو، جہاں عام ترقی کی راہ میں کوئی چیز حائل نہ ہو۔ جہاں آسائش و بہبودی کے تمام اسباب مہیا ہوں رایوں اور خواہشوں پر کوئی دباؤ نہ ہو، جہاں تعصب اور جہالت کے دیوتا دانت نہ پیستے ہوں جہاں علم کی روشنی دماغوں کو منور کرتی ہو، جہاں عام اتفاق اور دلی ہمدردی موجزن ہو"

لارڈ مکالے نے کسی ملک کے بادشاہ پرست ہونے کیلئے جو چیز پیش کی ہے اس روشنی میں اگر ہم دولت آصفیہ پر ایک نظر ڈالیں تو صاف معلوم ہو گا کہ یہ چیز جن میں ہندوستان کی بہت سی ریاستیں بہت کم پیش کر سکتی ہیں۔

اعلیٰحضرت حضور پرنور نواب میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی ذات گرامی پر مملکت دکن جس قدر فخر کرے بجا ہے۔ جسطرح غازی مصطفےٰ کمال کی قیادت سے ترکی کے جسد مردہ میں جان پڑ گئی، ایران کے عالی حوصلہ تاجدار نے اسے ترقی کی شاہراہ بھی پر لگا دیا اور سلطان ابن سعود نے حجاز کی لاج رکھ لی اسی طرح ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کی یادگار دولت آصفیہ کے اولوالعزم اور محبوب تاجدار نے حیدرآباد میں زندگی کی نئی روح پھونکدی۔ بندگانعالی کا زرین عہد دکن کے حق میں ابر رحمت ثابت ہوا جس سے علم و عمل کی پژمردہ کھیتیاں سیراب ہوئیں حیدرآباد بیدار ہو گیا۔ ذیل میں ہم اس اعلیٰ مرتبت بادشاہ کے سوانح حیات مختصر آندز ناظرین کرتے ہیں۔

اعلیٰحضرت بندگانعالی بتاریخ ۱۹ جمادی الثانی سنہ ۱۳۰۳ھ م ۵ اپریل سنہ ۱۸۸۶ء تولد ہوئے اس موقع پر حضرت غفراں مکاں کی شیر لیغرزی نے سارے ہندوستان سے خوشی و مسرت کا اظہار کرایا۔ پانچ سال کی عمر ہونے کے بعد بڑے دھوم دھام سے حضور کی رسم تسمیہ خوانی ادا کی گئی اور یہاں سے ابتدائی تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

مولوی انوار اللہ خاں صاحب مرحوم معلم امور مذہبی عربی اور دینی تعلیم کیلئے مقرر فرمائے گئے نواب عماد الملک اور سید علی شوستری فارسی اور ایجرٹن انگریزی کے لئے مقرر ہوئے ان مشہور ادیبوں اور عالموں کے فیض صحبت نے بندگانعالی کی خداداد ذہانت پر سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔

مسٹر ایجرٹن انگریزی کے اچھے ادیب تھے جو مختلف ہندوستانی رئیسوں کے معلم رہ چکے تھے نواب عماد الملک بہادر سید علی شوستری اور مولوی انوار اللہ خاں جیسے جید عالموں کی وجہ سے حضور پرنور کی اصلی قابلیتیں بہت جلد اجاگر ہو گئیں۔ علمی شوق ترقی کرتا گیا، چنانچہ آپ نے قلیل مدت میں ان زبانوں پر کافی عبور حاصل کر لیا۔

یہ اعلیٰحضرت بندگانعالی کی تعلیمی حالت کا مختصر خلاصہ ہے اس کے علاوہ مختلف مردانہ اور شاہانہ فنون جیسے شہسواری گری وغیرہ کی مشق حضور نے نواب سرافسر الملک بہادر کی زیر نگرانی فرمائی۔

اعلیٰحضرت بندگانعالی نے بچپن ہی میں نہ صرف ممالک محروسہ کے اکثر اضلاع کا سفر کیا بلکہ بمبئی کلکتہ اور اجمیر بھی تشریف لیگئے سنہ ۱۹۰۳ء کے دہلی دربار میں حضور غفراں مکاں کے ہمراہ شریک تھے ابتدا ہی سے امور سلطنت کی واقفیت کا انتظام کیا گیا تھا، چنانچہ اس مدت میں آپ نے کافی عملی تجربہ حاصل کیا اور جب

تخت نشین ہوئے تو ملک کے پورے حالات آپ کے سامنے آئینہ تھے۔

حضور پر نور کا عقد ۱۳۲۴ھ میں نواب جہانگیر جنگ بہادر کی دختر بلند اختر سے ہوا ۸ محرم ۱۳۲۶ھ کو شہزادہ ولیعہد بہادر (نواب اعظم جاہ بہادر) پیدا ہوئے۔ حضور کے تخت نشین ہونے تک دو تین شہزادے تولد ہو چکے تھے۔

حضور غفران مکاں کے بعد ہمارے اعلیحضرت بندگانعالی ۱۹۱۱ء میں تخت پر جلوہ افروز ہوئے یکم دسمبر ۱۹۱۱ء کو چومحلہ میں دربار منعقد ہوا اس موقع پر رزیڈنٹ بہادر نے حضور پر نور کو تخت نشینی کی مبارکباد دیتے ہوئے آپ کے عہد حکومت سے ملک کی فلاح و بہبود کی بہت سی توقعات کا اظہار کیا اسکے جواب میں حضرت اقدس و اعلی نے جو تقریر فرمائی اس کا اقتباس یہاں درج کیا جاتا ہے تاکہ اس کا اندازہ ہو سکے کہ آپ نے ملک و قوم کی فلاح و بہبود کا جو وعدہ اسوقت فرمایا تھا وہ کس شاندار طریقہ پر پورا ہوا ہے۔

اعلیحضرت بندگانعالی نے اسوقت تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ "میں اپنی ذمہ داریوں سے اسوقت تک عہدہ برآ نہ ہو سکونگا جبتک کہ اپنے والد محترم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش نہ کروں۔ میں اس بات کی انتہائی کوشش کرونگا کہ اپنے جلیل القدر باپ کی طرح ملک معظم کے ساتھ دیرینہ تعلقات کو برقرار رکھوں اور انہیں مستحکم کراوں"

۸ار دسمبر ۱۹۱۱ء کو ہز اکسلنسی لارڈ ہارڈنگ حیدرآباد آئے ان کے اعزاز میں چومحلہ میں اسٹیٹ ڈنر ترتیب دیا گیا تھا جس میں ہز اکسلنسی نے اعلیحضرت بندگانعالی کی شاہانہ اولوالعزمی تدبر اور روشن خیالی کا اعتراف تقریر کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا۔

"یور ہائینس کے والد محترم کا انتقال کر جانا ہندوستان کیلئے ایک صدمہ عظیم ثابت ہوا ہے۔ یہ لکھنا خوشامد نہیں کہ مرحوم نظام نے اپنے پیچھے آزاد خیالی وفاداری اور تدبر کی ایک زندہ تصویر چھوڑی"

۱۹۱۱ء میں جب دہلی میں ملک معظم کا دربار تاجپوشی منعقد ہوا تو حضرت اقدس و اعلی بھی اس میں شریک تھے اس موقع پر آپکے ساتھ اس حیثیت سے کہ آپ ہندوستان کی سب سے بڑی ریاست کے بیدار مغز تاجدار ہیں شایان شان مدارات کیگئی اور آپ کو جی۔ سی۔ ایس۔ آئی کا خطاب دیا گیا ۱۹۱۳ء میں حضور وائسرائے کی دعوت پر شملہ تشریف لیگئے۔ لیکن چونکہ یہ سفر غیر سرکاری تھا اسلئے وہاں اعلی طبقہ کو باریابی کا موقع ملا

جنگ عظیم کے موقع پر دولت آصفیہ کے اس اقبال مند تاجدار نے حکومت برطانیہ کو جس قدر امداد کی اور ملک کی فلاح و بہبودی میں جس غیر معمولی طور پر حصہ لیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور کی بیدار مغزی اور جذبۂ وفاداری سے متاثر ہو کر ۱۹۱۸ء میں حضور پر نور کو ہز اگزالٹیڈ ہائینس" اور یار وفادار سلطنت کا خطاب دیا گیا۔

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ شاہان آصفیہ کے عہد حکومت میں ان کی رعایا پروری سے دکن بے اندازہ مستفید ہوا لیکن وہ مبارک عہد جس سے حیدرآباد میں زندگی کی نئی روح دوڑ گئی وہ ہمارے آقائے ولی نعمت کا زرین دور ہے۔ اور دو سو سال کے بعد حیدرآباد کو ایسا بیدار مغز تاجدار ملا جس کے ظل عاطفت میں حیدرآباد ترقی کی منزلیں طے کر رہا ہے۔ اعلیحضرت بندگانعالی کی تخت نشینی کے بعد ہی سے حیدرآباد کی علمی، معاشرتی اور معاشی ترقیوں کا آغاز ہوتا ہے اور اس قلیل مدت میں اس نے جو غیر معمولی ترقی کرلی ہے اسکی مثال ہندوستانی ریاستیں پیش نہیں کرسکتی۔

حضرت اقدس و اعلی کو ابتدا سے ملکی نظم و نسق کی خاص واقفیت کرائی گئی لیکن جس وقت آپ تخت نشین ہوئے اسوقت ملک کے جملہ امور آپ کے سامنے آئینہ کی طرح صاف تھے یہی وجہ ہے کہ عنان حکومت ہاتھ میں لیتے ہی حیدرآباد نے پلٹا کھایا اور علمی و مادی حیثیتوں سے اسکی ترقی کا آغاز ہو گیا

اعلیحضرت بندگانعالی کی نظم و نسق سلطنت میں غیر معمولی محنت اور جانفشانی کا نتیجہ تھا کہ چند ہی سال میں حیدرآباد کی حالت بدل گئی اور صرف اٹھارہ سال کی مدت میں حیدرآباد کہیں سے کہیں پہنچ گیا۔

احیائے علوم فنون میں حضور اقدس و اعلی کی خاص توجہ نے اس جمود کو توڑ دیا جو عرصہ سے حیدرآباد پر چھایا ہوا تھا۔ جامعہ عثمانیہ کے قیام نے دکن کی علمی فضا میں ایک انقلاب پیدا کردیا جس کے شاندار نتائج آج ہمارے سامنے ہیں۔ غیر زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینا نوجوانوں کی ذہنی ترقیوں میں رکاوٹ پیدا کرنے کے مترادف ہے۔ حضرت اقدس و اعلی نے مادری زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیکر ہندوستان کی جو رہنمائی فرمائی ہے وہ ایسا شاندار کارنامہ ہے کہ حضور بندگانعالی کا نام تا قیامت زندہ رہے گا۔

دور ہمایونی میں باب حکومت کا قیام اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ اعلیحضرت بندگانعالی کتنے روشن خیال اور بیدار مغز فرمانروا ہیں آج دنیا کے مہذب ممالک پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوگا کہ ہر ملک میں کسی نہ کسی طریقے سے اسکا عملدرآمد ہے ملک کی فلاح و بہبود کے کسی مسئلہ پر کونسل کے اراکین کا اظہار خیال بہت سے مفید نتائج پیدا کرتا ہے اور اس پر حضرت اقدس و اعلی کی توجہ اس میں [illegible] ہے۔ غرض اس طرح باب حکومت کے قیام سے حیدرآباد

جس طرح مستفید ہو تا رہا ہے۔

اس موقع پر اتنی گنجائش نہیں کہ عہد عثمانی کے چند برکات کا بھی ذکر کیا جائے۔ ملک کے ہر شعبہ میں بھی سرسری نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ انہیں غیر معمولی ترقی ہوئی ہے آرائش بلدہ کی اسکیم شہر کے حسن و خوبصورتی میں جان ڈال دیگی نظام ساگر کی تعمیر ہو جانے کے بعد ملک کو زرعی حیثیت سے بو فائدے پہنچینگے اسکو بیان کرنے کی ضرورت ہے اس اٹھارہ سالہ مدت میں حیدرآباد نے تعلیمی نقطۂ نظر سے جو ترقی کی ہے وہ نہایت شاندار ہے۔ غرض اس سرچشمۂ فیض سے حیدرآباد سر طرح الامال ہو رہا ہے۔

نواب نظام الملک بہادر آصفجاہ اول کے زمانے سے اب تک شاہان آصفیہ نے دوسری قوام سے جس رواداری کا برتاؤ کیا ہے کسی اور سلطنت میں اسکی نظیر نہیں ملسکتی، حضرت اقدس و اعلیٰ نے اپنے آبا و اجداد کی اس قدیم روایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ اسکو اور بھی مستحکم کر دیا اس حیثیت سے خاندان آصفیہ کو دنیا کے بڑے بڑے فرمانرواؤں پر فوقیت حاصل ہے ہر مہذب ملک کے قانون میں غیر اقوام کے ساتھ رواداری کے برتاؤ کے متعلق کچھ نہ کچھ ضرور نظر آئیگا لیکن یہ قانون ہی قانون ہوتا ہے اور وقت پر اس چیز کا پورا ہونا بہت کم دیکھا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ حیدرآباد میں ہندو مسلم اتحاد کی جو نظیر قائم ہے وہ نہ صرف دوسری دلیسی ریاستوں میں نہیں ملتی بلکہ تاجدار دکن کو آج دنیا میں جو عالمگیر ہمدردی حاصل ہے اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔ اعلیٰحضرت بندگانعالی کے حالیہ سفر اسکے شاہد ہیں۔ دلی میں دو لاکھ انسانوں کا اجتماع اور اعلیٰحضرت کے ساتھ غیر معمولی اظہار عقیدت کے روح پرور مناظر اسبات کو یاد دلاتے ہیں کہ سارے ہندوستانیوں کو اعلیٰحضرت کو کس قدر غیر معمولی ہر دلعزیزی حاصل ہے

اعلیٰحضرت کے ان سفروں نے دنیا کو بتا دیا کہ تاجدار دکن کی حکومت نہ صرف دکن تک محدود ہے بلکہ اس کے باہر بھی اسکو ہر دلعزیزی حاصل ہے دولت آصفیہ اسلامی دنیا کے لئے مایۂ ناز ہے حضرت اقدس و اعلیٰ کی اسلامی ہمدردی کا دامن اس قدر وسیع ہے کہ آج دنیائے اسلام کا ہر گوشہ دولت آصفیہ کے خوان کرم کا ریزہ چین ہے۔ اعلیٰحضرت بندگانعالی کا مبارک نہ صرف دکن بلکہ دنیائے اسلام کے لئے نہایت شاندار ثابت ہوا اگر اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لئے یہ تاجدار روپیہ پانی کی طرح بہاتا ہے تو ہندوستان اور بیرون ہندوستان کے ایسے اداروں سے مذہب غافل نہیں ہے جن کا امداد سے بہت اچھے نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ آج دنیا میں ایسے کتنے ادارے ہوں گے اور کتنے مفلس و غریب ہوں گے جو شاہ دکن کے جود و کرم سے مستفید ہو رہے ہیں۔ حضرت اقدس و اعلیٰ کے فقید المثال کیرکٹر کا اندازہ مشکل ہے عدل و انصاف اور غیر

اقوام کے ساتھ رواداری کی اس قدر اچھی مثال کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ اعلیٰحضرت ایک طرف زبردست مدبر ہیں، کامیاب فرمانروا ہیں تو دوسری طرف طرف فارسی اور اردو کے زبردست شاعر۔ سادگی معاشرت اور مذہبی امور کی پابندی دیکھنے والے کو حیرت میں ڈالدیتی ہے امور سلطنت میں غیر معمولی انہماک سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بہبودیٔ خلق کا حضور کو رات دن کس قدر خیال ہے۔

بہر حال یہی وہ چیزیں ہیں جنکی وجہ سے آج ہمارے آقائے ولی نعمت کی ہر دلعزیزی کا ڈنکا ساری دنیا میں بج رہا ہے

آج ہم اپنے بادشاہ جمجاہ کی پچاسویں سالگرہ منا رہے ہیں اور ہمارے قلوب مسرت و شادمانی سے معمور ہیں کہ اس کا اظہار الفاظ میں نہیں کیا جاسکتا دعا ہے کہ خدا آقدیر ہمارے آقائے ولی نعمت کے عمر و اقبال میں ترقی دے اور دکن اس بیدار مغز فرمانروا کے ظل عاطفت میں مدتوں فیض کام رہے۔

جشن سالگرہ مبارک

از جناب منظور حسین صاحب ماہر قادری

ابر نشاط کی قسم۔ وقت سرور آگیا
چھیڑ کے ساز آرزو دل کوئی گدگدا گیا

واہ رے ضوفشانیاں چاند بھی جھلملا گیا
اوڑھ کے چادر سحر کون یہ مسکرا گیا

وجد میں ہے کلی کلی لب پہ ہے نعرۂ خوشی
مژدہ چمن کے ساکنو! دور بہار آگیا

کیفیت سرور میں ڈوب گیا سکون دل
ہوش کی [illegible] روح کو وجد آگیا

آگئی بزم ناز میں حسن نیاز کی جھلک
آج یہ حسن و عشق کو کون گلے ملا گیا

ساعت انبساط ہے وقت ہے ابتہاج کا
خوش ہو دکن کی سرزمیں ابر سرور چھا گیا

آج دکن کے شاہ کی سالگرہ کا جشن ہے
کیفیت نشاط کا راز سمجھ میں آگیا

اعلیٰحضرت خسرو دکن کا شاندار نظم و نسق

از مولوی عبدالمجید صاحب صدیقی ایم۔ اے ال ال بی مددگار پروفیسر تاریخ جامعہ عثمانیہ

دور حاضر سلطنت حیدرآباد کا زرین دور ہے کہ اس میں اعلیٰحضرت خسرو دکن کے بلند پایہ نظم و نسق کی بدولت ہمارا ملک ترقی کی اعلیٰ منزلیں طے کر رہا ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جو اپنی تمدنی، علمی، معاشی اور معاشرتی ترقیوں کے اعتبار سے صدیوں کے بعد حیدرآباد کو نصیب ہوا ہے اور اس کو حیدرآباد کی معراج ترقی کہنا بیجا نہیں ہے آج سلطنت آصفیہ کے قیام کے بعد سے دو سو سال کا عرصہ ہوتا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بیشتر سلاطین آصفیہ کی مخلصانہ رعایا پروری سے ملک وقتاً فوقتاً مستفید ہوتا رہا ہے اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا لیکن حقیقت یہ ہے کہ زمانہ حال نے اعلیٰحضرت خسرو دکن کی حکیمانہ سیاست سے جو فائدہ اٹھایا ہے اس کی پہلی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں ملتی۔ نظم و نسق کے ہر شعبہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعلیٰحضرت کو نظم و نسق کی خداداد قابلیت حاصل ہے اور اس کے ساتھ اعلیٰحضرت کی علمیت اس قابلیت کو دوبالا کر دیتی ہے۔ اس امر میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں ہو سکتا کہ اعلیٰحضرت کی علمی قابلیت نہ صرف بیشتر سلاطین آصفیہ بلکہ موجودہ سارے ہند سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ اعلیٰحضرت کو نہ صرف قدیم مشرقی علوم و فنون میں مہارت تامہ حاصل ہے بلکہ مغربی معلومات پر بھی کافی دستگاہ ہے نظم و نسق کی خداداد قابلیت اور غیر معمولی علمیت کا اعلیٰحضرت کی ذات ستودہ صفات میں جمع ہونا دور حاضر کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔

اور اس کے نتائج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور یہ حیدرآباد کے نئے نظم و نسق سے ظاہر ہے۔ اور جب سے اعلیٰحضرت خسرو دکن سریر آرائے سلطنت ہوئے ہیں اٹھارہ سال کے دوران میں حیدرآباد نے مادی اور علمی حیثیت سے وہ پلٹا کھایا ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے حیدرآباد کو آج سے اٹھارہ سال پہلے دیکھا ہے حیرت کرتے ہیں اور جدید حیدرآباد کو مشکل سے پہچانتے ہیں۔

ہر ایک ملک کے کامیاب نظم و نسق کے لیے تین امور کی ضرورت ہے ایک فرمانروائے ملک اس قدر بیدار مغز ہو کہ ملک کے ہر جزو کل اور طول و عرض سے کافی واقفیت رکھے۔ ملک کے تمام طبقات اور وہ ذرائع ترقی اس سے انہوں کے سامنے ہوں اور وہ حسب ضرورت اور موقع سے کام لیکر انہیں ترقی دے۔ اس خصوص میں اعلیٰحضرت کو جو امتیاز حاصل ہے اس پر حیدرآباد اور اہل حیدرآباد کو ناز کرنا چاہئے۔ یہ چیز ایسی ہے کہ ہند میں کوئی شخصیت آج اعلیٰحضرت کی برابری نہیں کر سکتی اعلیٰحضرت کو ملک کے ہر جزو کل سے کافی واقفیت حاصل ہے جن لوگوں کو اعلیٰحضرت کی ہم کلامی کی عزت حاصل ہوئی ہے وہ اعلیٰحضرت کے معلومات اور بیدار مغزی سے متحیر ہو جاتے ہیں۔ جو چیز کہ دوسروں کے حاشیہ خیال میں نہیں ہوتی وہ پہلے خسرو دکن کو معلوم ہوتی ہے۔

اور اس طریقہ سے ملک کے ہر شعبہ میں اعلیٰحضرت کی رسائی ہوتی ہے اور اس بیدار مغزی سے نہ صرف یہ کہ کوئی بے قاعدگی نہیں ہونے پاتی بلکہ ہر وقت ایک نئی ترقی عمل میں آتی ہے اور تمام چھپے ہوئے ذرائع کام میں لائے جاتے ہیں۔ سر علی امام کی علیحدگی کے وقت اعلیٰحضرت نے جو الفاظ ظاہر فرمائے وہ حرف بہ حرف اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں کہ صدر اعظم کے نہ ہونے سے امور مملکت میں کیا فرق آ سکتا ہے جبکہ خود رئیس وقت امور مملکت میں بیدار مغزی کے ساتھ دلچسپی لیتا ہے اور کوئی چیز اس کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ فرمانروائے وقت ملک کے نظم و نسق میں ہمیشہ زمانہ کی رفتار کو مدنظر رکھتے ہیں۔ قدیم روایات پر کاربند ہونا کسی ملک کی ترقی کا ضامن نہیں ہو سکتا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے نظم و نسق کو ہمیشہ اسی طرف پھیرنا چاہیے جس کا زمانہ حال مقتضی ہے۔ فرمانروائے ملک کی حالت ایک ناخدا کی سی ہوتی ہے جو سمندر کی حالت کو مدنظر رکھکر جہاز رانی کرتا ہے چونکہ اعلیٰحضرت خسرو دکن کو مغربی معلومات پر کافی دستگاہ حاصل ہے اس کا یہ نتیجہ ہے کہ اعلیٰحضرت نے ہمیشہ حیدرآباد کو زمانہ حال کی شاہراہ ترقی پر ڈالنے کی کوشش فرمائی ہر قسم کی جدید ترقی کا خیر مقدم کیا گیا۔ مادی

اور علمی ترقیوں کے ہر اسلوب کو بے دریغ اختیار
کیا گیا۔ بہی خواہان ملک نے علمی اور مادی
ترقی کے جو تجاویز اعلیحضرت کے سامنے پیش
کیے ان کو اعلیحضرت نے خوشی سے منظور کیا
اور یہ کبھی نہیں دیکھا کہ اس میں کس قدر روپیہ
صرف ہوگا۔ ملک کی علمی اور مادی ترقی
کے لیے لاکھوں روپیے پانی کی طرح بہا دیے
گئے جس کا کوئی دیسی ریاست مقابلہ نہیں
کرسکتی۔ ان ترقیوں کے چند نمونے ناظرین
کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کیے جائیں گے
میری ضروری چیز [illegible] فرمانروائے ملک
کی امور سلطنت میں کافی محنت اور عرق
ریزی اور قابلیتوں کے ساتھ محنت اور
جانفشانی کی کمی ہو تو ان قابلیتوں سے
ملک کو کوئی فایدہ نہیں پہونچ سکتا جب تک
فرمانروائے ملک نظم ونسق مملکت میں کافی
محنت اور جانفشانی سے کام نہ لے ملک
کی ترقی ممکن نہیں۔ شہنشاہ جہانگیر نے
کہا ہے کہ میں صرف تین گھنٹے سویا ہوں
اور باقی وقت میں رعایا کے معاملات کے
انصرام اور یادوہی میں صرف کیا ہوں اعلیحضرت
خسرو دکن اس کی دوسری مثال ہیں۔ آج اکو
دنیا تسلیم کرتی ہے کہ اعلیحضرت کو نظم ونسق
مملکت سے جو غیر معمولی شغف حاصل ہے
ہندوستان کا کوئی فرمانروا اس کا دعوی
نہیں کرسکتا۔ یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی
ہے کہ اعلیحضرت کو سوائے نظم ونسق کے
کوئی دوسرا شغلہ نہیں۔

ہندوستان کے دوسرے رئیس دیسی
ریاستوں سے مہینوں غائب رہتے ہیں اور
اپنی ریاست سے بے خبر رہتے ہیں لیکن
اعلیحضرت خسرو دکن دن رات امور سلطنت میں
مصروف رہتے ہیں اور عرق ریزی فرماتے
ہیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ رات دن
کا کثیر وقت امور سلطنت کے بست وکشاد میں
صرف ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود اگرچہ
بیشمار کارروائیوں کا انصرام درپیش ہوتا ہے
ہر کلی وجزی چیز کا بغور مطالعہ فرمایا جاتا
ہے اور کافی جانچ پڑتال کے بعد احکام
صادر فرمائے جاتے ہیں یہ کبھی نہیں ہوا کہ
تخت کی پیش کی ہوئی کسی کارروائی کو بغیر
ملاحظہ فائز کئے سرسری نظر سے واپس کردیا
گیا بلکہ اعلیحضرت نے تخت کے اختلاف عمل
کی بارہا گرفت فرمائی ہے اور حیرت کی
بات ہے کہ اعلیحضرت کو برسوں کی کارروائیاں
جن سے تخت کے کام کرنے والوں کے دماغ
عاجز ہو جاتے ہیں یاد رہتی ہیں۔

دور حاضر کے نظم ونسق کے سلسلہ میں
سب سے اہم چیز باب حکومت کا قیام
ہے اس کا حیدرآباد کی اہم ترقیات میں
شمار ہونا چاہئے۔ متمدن دنیا میں ہر جگہ
یہ ہوتا ہے کہ جو عہدہ دار سلطنت کے بست
وکشاد میں حصہ لیتے ہیں وہ محض اپنی صوابدید
سے کام نہیں کرتے ایک دماغ دوسروں کی
شرکت بغیر ... گتھیاں نہیں سلجھا سکتا۔
اس لیے جسطرح قانون سازی اجتماع سے
ہوتی ہے اسی طرح عاملانہ فرائض بھی اجتماع
سے پورے کیے جاتے ہیں۔ تمام عاملانہ
عہدہ دار امور سلطنت کو اپنے متحدہ مشورہ
سے طے کرتے ہیں اور یہی نظم ونسق کی کامیابی کا
راز ہے چنانچہ ہر متمدن ملک میں ایک مجلس وزراء
پائی جاتی ہے گو ان کے نام جداگانہ ہیں لیکن
اپنی نوعیت اور ساخت کے اعتبار سے
سب یکساں ہیں۔

اس چیز کو مدنظر رکھکر حضرت خسرو دکن نے
معین المہام کے پرانے سلسلہ کو توڑ کر باب
حکومت کی بنیاد ڈالی تاکہ سلطنت کے اہم
امور باہم مشورہ سے طے ہوں اور ملک کو
زیادہ سے زیادہ فایدہ پہونچے حیدرآباد
کے موجودہ حالات اور ترقیاں ظاہر کرتی ہیں
کہ اس جدید نظام عمل سے ملک کے نظم ونسق کی
کل نیابت خوش اسلوبی سے چل رہی ہے۔ جن
چیزوں کو ایک دماغ حل نہیں کرسکتا وہ متحدہ
قابلیت سے حل ہو جاتی ہیں اور کامیاب
ہوتی ہیں۔ اور اس پر بھی کوئی سقم رہ جاتا
تو اعلیحضرت بنفس نفیس غور فرماتے ہیں اور
ازراہ لطف [illegible] سے اسکو [illegible] مطلب بناتے ہیں

نظم ونسق کا دوسرا شاندار نتیجہ جامعہ
عثمانیہ کا مقالہ ہے جو نہ صرف حیدرآباد کے
لیے بیحد مفید ثابت ہوا بلکہ تمام ہندوستان
کے لیے ایک شمع ہدایت کا کام دے رہا ہے
ذریعہ تعلیم مادری زبان قرار دے کر جامعہ
عثمانیہ نے ایک حقیقت کو بے نقاب
کیا ہے کہ کسی قوم کو صحیح تعلیم اور ترقی غیر
زبان میں نہیں ہو سکتی اور چنانچہ ہندوستان
کے مختلف اسکولوں سے اس کا خیر مقدم
ہو رہا ہے اور آئندہ ہو کر رہے گا۔ جامعہ
کے نتایج سے حیدرآباد کی علمی دنیا میں
جو انقلاب رونما ہوا اور جو کامیاب نتایج
منظر عام پر آئی ہیں وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں
ہیں اور یہ چیز غیر زبان کی تعلیم سے کبھی پیدا
نہیں ہو سکتی تھی۔ حیدرآباد سے لیکر تمام
ہندوستان پر اعلیحضرت خسرو دکن کا احسان ہے
کہ اس عہد جدید کو غیر زبان کے نیچے سے آزاد
کردیا گیا آج تقریبا ۱۶ لاکھ روپیے جامعہ کے
مصارف میں صرف ہو رہے ہیں جس کی دوسری
ریاست خیال ہی نہیں کرسکتی

مادی ترقیات کے سلسلہ میں سب سے
پہلے آبپاشی کے ان عظیم الشان وسایل کا ذکر
کرنا ضروری ہوگا جو اس دور ہمایونی میں
اختیار کیے گئے اس مبارک نظم ونسق نے آبپاشی
کے مسئلہ پر خاص توجہ کی اور [illegible] روپیہ
صرف کرنے میں دریغ نہیں کیا تاکہ ملکی زراعت
میں ترقی ہو ریاست کے اندر جہاں پانی جمع
کرنے کے بہترین موقعے تھے وہ سب جہاں

بن گئے اور کروڑوں روپیے کے صرفہ سے وہاں تالاب بنائے گئے اور بنائے جارہے ہیں۔
عثمان ساگر اور حمایت ساگر مکمل ہو کر عرصہ ہوا جن میں کئی کروڑ روپیے صرف ہو چکے ہیں نظام ساگر جو زیر تعمیر ہے اس میں تین کروڑ روپیہ سے زیادہ کا اندازہ کیا گیا ہے یہ زراعت کے بہت بڑے رقبہ کو سیراب کرے گا اس سے ملک کو جو فایدہ پہنچے گا وہ ظاہر ہے اس کے علاوہ اور بہت سے تالاب زیر غور ہیں۔
اس بات کو کوئی شخص فراموش نہیں کر سکتا کہ اس مبارک دور میں کتنی پلک عمارتیں بنائی گئیں۔ جن سے حیدرآباد عاری تھا حیدرآباد میں ایسی پبلک عمارت کا نہونا بہت افسوس ناک بات تھی عدالت عالیہ ایک چھوٹے سے مکان میں قید تھی تو دوسرے دفاتر کا کیا ذکر ہو سکتا ہے۔ حالیہ نظم و نسق نے اسی کمی محسوس کیا اور لاکھوں روپیے منظور کیے تاکہ حیدرآباد میں دیدہ زیب عمارتیں کھڑے ہو جائیں اور ملک کی رونق بڑھے دوسری عمارتوں کے ساتھ جو بن رہی ہیں اور زیر غور ہیں جامعہ کی عمارت کے داغ بیل بھی پڑ رہی ہے جو قریب میں مکمل ہو جائے گی۔

آرائش بلدہ وہ قیام بھی اعلیحضرت خسرو دکن کے شاندار نظم و نسق کا نتیجہ ہے حیدرآباد کو ہندوستان کے ایک بہت بڑے شہر ہونیکا فخر حاصل ہے لیکن اسکی ظاہری حالت سڑکوں کی تنگی اور عمارتوں کی بے رونقی حیدرآباد کو منزلت سے گرا دیتی تھی اور اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ آرائش و زیبائش میں حیدرآباد کو ہندوستان کے بڑے شہروں کا ہمپلہ ہونا چاہئے چنانچہ اعلیحضرت کے نظم و نسق نے اسطرف بھی توجہ فرمائی اور آج خدا کے فضل سے شہر کے ہر گلی کوچہ میں آرائش کا ہاتھ نظر آرہا ہے خوشنما عمارتیں کھڑے کی گئیں سڑکوں کو کشادہ کیا گیا اور شوارع پختہ کیے گئے جو نہ صرف گرد سے محفوظ بلکہ آمد و رفت کے لیے بہت آرام دہ ہو گئے اور وہ دن دور نہیں کہ حیدرآباد اپنی منزلت کے اعتبار سے ہندوستان کے بڑے شہروں کا ہمپلہ ہو جائے گا **غرض** یہ وہ عظیم الشان دور ہے کہ اگر تاریخ میں اسکا اندراج نہ بھی ہو تو یہ ترقیات خود صدیوں تک آنے والی نسلوں کو اپنی داستان سنائے بغیر نہیں رہ سکیں اور اعلیحضرت خسرو دکن کا نام نامی ابد الآباد تک یادگار رہے گا فقط۔

قطعہ تہنیت جشن سالگرہ مبارک

از نواب فصاحت جنگ بہادر جلیل

گرہ کا جشن بھی ہے موسم بہار بھی ہے
صدائے چنگ بھی ہے نغمۂ ہزار بھی ہے

شمیم گل کا جو سرمایہ ہاتھ آیا ہے
نسیم عطر فشاں بھی ہے مشکبار بھی ہے

مئے نشاط کا اس دور کامرانی میں
نیا اثر ہے کہ سرمست ہوشیار بھی ہے

ہوائے موسم گل سے بچا نہیں کوئی
جو دن کو شیخ ہے وہ شب کو بادہ خوار بھی ہے

اگرچہ زہد پہ زاہد کو ناز ہے لیکن
رہین منت صہبائے خوشگوار بھی ہے

یہ اُسکی سالگرہ کی ہے جلوہ آرائی
جو شہریار بھی ہے فخر روزگار بھی ہے

حیات خضر دے اللہ شاہ عثماں کو
جلیل جسکا دعاگو بھی جاں نثار بھی ہے

خسرو دکن کی فارسی شاعری

از جناب محمد عبدالقیوم خان صاحب باقی ایم اے (عثمانیہ) مدیر مجلہ عثمانیہ خلف مولوی محمد احمد رضا صاحب مانی مرحوم سابق معتمد کمیٹی صرفِ خاص مبارک

دنیا کی بڑی عظمت یہ ہے کہ انسان میں
علم و عمل کی ہم آہنگی ہو اور خسرو دکن کے شاعرانہ
مشاغل سے اس امر کا کافی ثبوت ملتا ہے حیدرآباد
کی تاریخ میں دور عثمانی کا زرین کارنامہ علم کی ترقی
اور اشاعت ہے اور ظاہر ہے کہ اس ترقی اور
اشاعت کا سرچشمہ سلطان العلوم اعلیحضرت حضور
نور کی ذات اقدس ہے علاوہ ازیں خود بادشاہ
دکن اپنے علم کے بہترین عملی مظہر ہیں اور اس کی
روشن مثال آپ کی شاعری ہے۔

شاعری اکثر بادشاہوں کا شعار رہا ہے
لیکن بہت کم بادشاہ ایسے ہیں جنہوں نے دنیا میں
س کے غیر فانی اثرات چھوڑے ہوں عام طور پر
دشاہ کی حیثیت مافوق اور جامع الصفات
ہوتی ہے اور اپنے اندر اس عہد کی جملہ علمی و عملی
ترقیوں کو پنہاں رکھتی ہے یا کم از کم یہ سمجھا جاتا
ہے کہ یہ ترقیاں اس کی ایک ذات کے ساتھ وابستہ
ہیں اس جامعیت سے قطع نظر اگر بادشاہ کی
ات اور اس کے کارناموں پر نظر ڈالی جاتی ہے
و بادشاہ عموماً اس درجہ پر نہیں معلوم ہوتا جس پر
س کے واقعات متعلقہ اس کو پیش کرتے ہیں۔

خسرو دکن کی فارسی شاعری اور اس کی اہمیت پر
نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک طرف
اس جلیل القدر بادشاہ کے کلام میں چند ایسے عناصر
ایسے موجود ہیں جو اس کو غیر فانی بنا دینے کے
کفیل ہیں، دوسری طرف خود اس کی ذات اس
علمی شغف اور سرپرستی کا آئینہ بھی [illegible] کیلئے
لازوال شہرت کا باعث ہے۔

موجودہ زمانہ میں انگریزی کی گرم بازاری
اور اردو زبان کی روز افزوں ترقی پر نظر رکھتے
ہوئے یہ خیال کرنا بعید از صحت نہیں معلوم ہوتا
کہ فارسی زبان کی قدر و منزلت اس کی ترقی و
اشاعت اس قدر وسیع نہیں جس کی وہ مستحق ہے
اس کے باوجود دیکھا گیا ہے کہ ان اولوالعزم شعرائے
جن کو قدرت کی طرف سے صحیح شاعرانہ ذوق،
اعلیٰ ادبی قابلیت اور وسعت نظر عطا ہوئی ہے
فارسی کو زیادہ پسند کیا ہے مثلاً غالب اور
اقبال۔ اصولاً دیکھا جائے تو فارسی زبان
میں جو برسوں شاہانہ زبان رہ چکی ہے جس کو
سعدی، رومی، حافظ، خاقانی، اور عرفی جیسی
ہستیوں نے اپنے نفوس قدسیہ اور سحر انگیز
طبائع سے معراج کمال پر پہونچا دیا ہے بہ نسبت
اردو کے زیادہ وسعت، شیرینی، دلآویزی
اور سریلاپن موجود ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ
شاعری کیلئے اسی قسم کی زبان کی ضرورت ہے
فارسی کو دیکھکر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعری
ہی کے لئے پیدا ہوئی ہے۔ لہٰذا اعلیحضرت
خسرو دکن کا اپنی شاعری کیلئے فارسی کو اختیار
کرنا ادبی وسعت نظر اور اعلیٰ مذاق شاعری
کو ظاہر کرتا ہے اور نقادان سخن اس
انتخاب کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

حسن انتخاب کی طرح اعلیحضرت حضور
پرنور کی شاعری فی نفسہ اپنا ایک لطیف حسن
رکھتی ہے اور اس حسن کے مختلف پہلو اور جلوے
ہیں یہ جلوے جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے دراصل
وہ جواہر ہیں جن کو ابدی درخشندگی حاصل ہے۔

اعلیٰحضرت کی شاعری کی پہلی نمایاں خصوصیت
مذہبی رنگ ہے یعنی امور ایمان و ایقان کے سحادریز
تجلیات ہیں۔ دنیا میں انسان کے لئے سب سے
زیادہ عزیز، سب سے زیادہ قابل قدر اور سب سے
زیادہ اہم چیز مذہب ہے اور ہونا بھی چاہیئے۔
یہ بادی النظر میں ایک پرانا خیال معلوم ہوگا لیکن
موجودہ زمانہ ہوا ہے کہ مادیت کی فضا تاریک
ہوکر روحانیت کی شعاعیں مستعد ہونے لگے
عالم (خصوصاً یورپ میں) چمک رہی ہیں لیکن یہ
خیال اپنے اندر حیات انسان کی اعلیٰ ترین تکمیل
اور معراج کا فلسفہ پنہاں رکھے ہوئے معلوم ہوتا
ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے اس فلسفہ کی وہ سادہ
اور دلفریب صورتیں جو ہر انسانی قلب کیلئے
عام اور ایوان رحمت کا خوان یغما بن جاسکتی
ہیں خسرو دکن کے فارسی کلام میں نمایاں طور پر
موجود ہیں۔

ایک بادشاہ کی پرشوکت سوانح زندگی
اور با اقبال ماحول جس کی آغوش میں شان و
شوکت، دولت وعزت، ثروت و حکومت
اس طرح کھیلتی ہیں جس طرح سطح سمندر پر موجیں
ایک زبردست اثرات ہیں جو اس کی نفسیات
اور فطرت پر اپنے اثرات ڈالے بغیر نہیں رہ سکتے
خصوصاً جبکہ بادشاہ اپنی ایزدی ودائع کو مد نظر

خصوصیات بشری یعنی دماغی اور قلبی تاثرات سے معرا نہیں ہے، لیکن ان نفسانی تاثرات کے باوجود اس کے قلب و دماغ پر خدا کی عظمت و جلال رسول کی محبت اور تعظیم اور مذہبی اصول و نظریات کی دقعت کا فطری طور پر مسلط ہونا اور ان تاثرات کا اس کی شاعری میں پرجوش اور عقیدتمندانہ اظہار ہونا، عظمت انسانی کی اعلیٰ صفات، اور سعادت مندی کی روشن مثال کو پیش کرتا ہے جس سے ہر انسان کو سبق سیکھنا چاہیئے۔

حمد اور نعت لکھنا جس طرح کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے آسان کام نہیں ہے حمد خدا کیلئے ہے جو کائنات کی افضل ترین ہستی خود انسان کا خالق اور اس کی فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔ اور نعت اس کے رسول کے لئے ہے جو ایک طرف خدا سے واصل دوسری طرف مخلوق میں شامل اور الٰہی تجلیات و کمالات کا اکمل ترین مرقع ہے۔ انسان ان پر خامہ فرسائی کرنے میں یہ کوشش کرتا ہے کہ تا حد امکان وہ اپنا تقرب بروار تخیل کے ذریعہ ظاہر کرے [illegible] یہ ماہیت کا راستہ ہے دوسری طرف شاعر اپنے دل اور قلب کی طرف رجوع ہوتا ہے جو انوار الٰہی کا مرکز اور مطلع ہے اور شاعری کے ذریعہ ان جذبات کو ظاہر کرتا ہے جو اپنی عمیق ترین صورت میں تصوف اور خالص روحانیت کا رنگ اختیار کرتے ہیں اور باقی دوسری صورتوں میں ایمان بالغیب اور اعتقاد سلیم کی سادہ اور دلفریب شکل میں ظہور پذیر ہوسکتے ہیں۔ اصولی نقطۂ نظر سے اول الذکر کا رتبہ اول ہے اور عملی تمام افادیت کے نقطۂ نظر سے آخر الذکر کا۔ اعلیٰ حضرت کی شاعری میں دونوں اجزا پائے جاتے ہیں اور جزو آخر نمایاں اور وسیع ہے۔

عظمت رسول کے متعلق فرماتے ہیں

[1] اساس منزل ہستی ز تو بپا کردند
کہ ذات پاک ترا شمع رہنما کردند

* خشم را فضل خزاں خستہ و پر خون کردہ
باز گل جام پر از بادۂ گلگوں کردہ
بود عثماں ز بتاں تیرہ و تاریک جہاں
نور حق آمد و آں راہمہ وا زوں کردہ

یہ شعر بادشاہ کے قلم سے نکل کر کس مرتبہ پر پہونچ جاتا ہے۔

[2] سجدہ بر پائے احمد سر کہ یابی صد قرار اینجا
زر اینجا گوہر اینجا حشمت اینجا افتخار اینجا

سرور کونین کی محبت سے مست ہو کر فرمایا ہے

[3] سوئے نجد آمد کسے بر ناقۂ
زلف واکردہ چو مشکین نافۂ
مثل برق آورد اے عثماں صبا
از کف جاناں مبارک نامۂ

کیا یہ محبت رسول کی عاقبت [illegible] بیہوشی در بکار نہیں ہے۔

[4] درد دل را اگر دوائی یا حبیب
چوں درون دل بنالی یا حبیب

[5] تو شہنشاہ عرب ہستی و من
بس غریبم بس غریبم بس غریب

عشق کو مذہب کے اندر درجہ اول حاصل ہے اور اگر مذہبی حدود سے ہٹ کر بھی دیکھا جائے تو عشق نے نفسیات اور حیات انسانی کے گوشے گوشے پر اپنا تسلط جما دیا ہے عشق دو قسم کا سمجھا جاتا ہے، عشق حقیقی اور عشق مجازی اور یہ کہا جاتا ہے کہ عشق مجازی عشق حقیقی کا آستان اولین ہے، لیکن یہ درست نہیں عشق اگر فطری، غیر اختیاری جذبے کی صورت میں اپنی اصلی صداقت کے ساتھ موجود ہو تو معشوق خواہ وہ مادی ہو یا غیر مادی ابتدا ہی سے حقیقت بن جاتا ہے رہا یہ کہ عشق کو ایک اختیاری جذبہ سمجھ کر عمداً اس کو کسی ایک مرکز کی طرف موڑ دینا راقم کے نزدیک محبت نہیں یا شیکسپیر کے الفاظ میں عشق بے شفقت نہیں، ایک ایک یگانگت ہے جس کیلئے شفقت درکار ہو۔

عشق کی بہترین تعریف صوفیا نے کی ہے اور ان کے ارشادات کا بہترین مظہر شاعری ہی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ عشق صوفیا ہی تک محدود ہے اس کے علمبردار شعرا بھی رہے ہیں اور ایک خاص کیفیت کے ساتھ رہے ہیں جب اعلیٰ حضرت کی فارسی شاعری پر نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ آپ نے شعر میں نہ صرف اپنے مذہبی جذبہ کو ظاہر فرمایا ہے بلکہ اس جذبہ کے نمایاں عنصر عشق و جذبات کو بھی پر لطف شعر کا لباس پہنایا ہے جو آپ کی شاعری کا درخشاں جوہر ہے۔

[6] ز داغ عشق سر و سینہ گلزار جناں دارم
گل اینجا لالہ اینجا سنبل اینجا نو بہار اینجا

مذہبی رنگ میں ڈوب کر تصوف کی پاکیزہ چاشنی اس طرح دی ہے۔

[7] بہ جام حسن ازل ریختند بادۂ عشق
بہ شیشۂ دل ہم درد ہم صفا کردند
وفور حسن نہ گنجید در قبائے دو کون
مگر بہ سینۂ ایں خستہ جاں کہ جا کردند

خالق حقیقی اور صانع ازل کے گوناگون

---

[1] جریدہ غیر معمولی، الجز و خاص ۵ ۲ امرداد ۱۳۳۶ ف صفحہ (۲۴۲ - ۲۴۳) [2] "صبح دکن" روزانہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۹ء
* "صبح دکن" روزانہ ۳ نومبر ۱۹۲۹ء ۔ [3] جریدہ غیر معمولی غرہ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ
[4] جریدہ غیر معمولی ۵ ۲ امرداد ۱۳۳۶ ف ۔ [5] جریدہ غیر معمولی ۷ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

کمالات کی جھلک کو اس طرح دکھایا ہے۔

[1] آفریں بر صنعت بے مثل نقاش ازل
صورت زیبا ز جنس خاک می آید بروں

عید کی خوشی تک بھی مذہبی رنگ آمیزی سے شروع ہوئی ہے۔

[2] حرمت عید از کلام پاک می آید بروں
وز حدیث صاحب لولاک می آید بروں

نیچرل شاعری

علمی اور اصولی نقطۂ نظر سے نیچرل شاعری یا اس قسم کی شاعری جس میں مشاہدۂ فطرت اور مطالعہ کائنات کے کیف انگیز جذبات موجود ہوں فن شاعری کی حد تک ایک خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ انگریزی شاعری کیلئے بالخصوص اور مغربی شاعری کیلئے بالعموم بیان کا معراج کمال بن گئی ہے وجہ یہ ہے کہ شاعری کا اہم ترین مقصد حسن اور حقیقت کی تلاش ہے اور کائنات کے حسین مناظر مثل باغ، گل، بلبل، آفتاب و ماہتاب ان کے طلوع و غروب، صاعقہ اور شفق انجم و آسمان، قوس قزح، سبز وادیان سبزہ زار، نسیم دلکشا، فضائے سرور وغیرہ چونکہ حسین اور ایک حقیقت ہوتے ہیں شاعر کی آنکھ اور حواس ان کو دیکھتے محسوس کرتے ان کو سمجھتے ہیں اور وہ ان سے فائدہ اٹھاکر شاعر اپنی شاعری کیلئے ایک موثر اور مفرح مواد جمع کرتا ہے۔ مشرق میں نیچرل شاعری کا ایک اور مفہوم ہے جسکو مولوی حالی نے بیان کیا ہے یعنے کلام میں فطرتی جذبات نگاری، سادگی بیان، اور تاثیر قلبی کا موجود ہونا۔ عربوں کی قدیم شاعری اسی قسم کی تھی۔ فارسی میں دیگر عناصر کی آمیزش کے باوجود اس کا اثر نمایاں رہا لیکن اردو میں عشق و محبت کے مقابلے میں اس نے زبردست شکست کھائی یہاں تک کہ اس کا وجود تقریباً فنا ہوگیا حضور پرنور کے فارسی کلام میں نیچرل رنگ نمایاں طور پر موجود ہے۔

حال کی ایک مرصع غزل میں تین شعر اسی سبیل کے نکالے ہیں۔ کیا مطلع تحریر فرمایا ہے۔

[3] ضبط فریاد کند بلبل نالاں تا کئے
پیچ در پیچ خورد سنبل پیچاں تا کئے!

اس کے بعد

دور مے رانبود حد و نہایت ساقی
گلفشانی کند ایں فصل بہاراں تا کئے؟
نرگس مست کہ باشد بہ کمیں چوں صیاد
رم کند آہوئے دل ہمچو غزالاں تا کئے؟

شعریت

مذہب کے بعد ہماری نظیر اعلیٰ حضرت کے خالص مشرقی اور شاعرانہ رنگ پر پڑتی ہے جسکو ہم شعریت سے تعبیر کرتے ہیں شعریت کے مفہوم میں راقم نے تین امور کو ملحوظ رکھا ہے اور یہ امور زیادہ تکمیل کے ساتھ مشرقی شاعری تغزل اور شعر میں پائے جاتے ہیں۔ اول شعر میں حقیقی اور غیر حقیقی دو آزاد تصورات کا جو دنیائے تخیل کے دلچسپ مظاہر ہوتے ہیں مختصر اور موثر الفاظ کے ایک قالب میں ڈھل جانا جس کے پڑھنے کے بعد قلب انسانی پر جادو یا طلسمات کا ایک اثر ہوجائے دوم شعر کے دو مصرعوں میں ایک وسیع مضمون اپنی صوری اور معنوی خوبیوں کے ساتھ ادا ہوجانا۔ سوم شعر میں تکمیل جامعیت، موسیقیت اور دلآویزی موجود ہونا۔ شعر کی یہ خوبیاں اوس کی نہایت بلند پایہ اور اس کی عمر کو دراز کردیتی ہیں حضور پرنور کے فارسی کلام میں ایسے جامع اور دلآویز اشعار کی درخشاں مثالیں موجود ہیں۔ ایک تخیلی مضمون کو کس خوبی سے ادا فرمایا ہے

[4] تاک شاید برق می دارد نہاں در خود کرد
دخت رز با بانگ آتشناک می آید بروں

[5] مایۂ رونق چمن موسم ایں بہار بس
باعث رنگ انجمن شمع و گل و نگار بس

[6] دور مے رانبود حد و نہایت ساقی
گلفشانی کند ایں فصل بہاراں تا کئے

خسرو دکن کی فارسی شاعری ایک اور اہم خصوصیت رکھتی ہے اس میں جذبات دل کی فطری ایشیائی انبساط و فروغی کے وقت افزا تخیلات اور وقت کو غنیمت جاننے کی شاعرانہ نصائح موجود ہیں یعنی گویا آپکی شاعری کا روشن حصہ مفرح ہے جسکو انگریزی میں (Optimism) کہتے ہیں اس ساغر سرشار میں کہیں مئے خیام کی تجلی ہے تو کہیں صہبائے حافظ کا جوش کہیں سعدی کی گہرافشانی تو کہیں خسرو کی جھلک اس میں ایرانی بہاریہ شاعری اور اس کا فرحت افزا رنگ پایا جاتا ہے کون ہے جو اساتذۂ مذکرہ کے حسب ذیل اشعار کو فراخدلی اور کشادہ پیشانی سے پڑھکر روح و قلب میں جوش، امنگ اور تسکین نہیں محسوس کرتا۔

برخیز و بکن پر ایں پیمانہ ز مے
زاں پیش کہ پر کنند پیمانۂ ما (عمر خیام)

[1] جریدہ غیر معمولی ۵ مہر امرداد ۱۳۳۶ف ۔ [2] جریدہ غیر معمولی ۵ امرداد ۱۳۳۶ف
[3] صبح دکن روزانہ ۳ مہر آذر ۱۳۳۹ف [4] جریدہ غیر معمولی ۵ امرداد ۱۳۳۶ف
[5] جریدہ غیر معمولی غرہ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ [6] صبح دکن روزانہ ۱۰ نومبر ۱۹۲۹ء

ساقی بخور بادہ برافروز جام ما
مطرب بگو کہ کار جہاں شد بکام ما (حافظ)

انچہ داری بخور امروز غم دہر مخور
چوں بر فردا برسی روزی فردا برسد

اسی طرح حضرت اقدس نے فرمایا ہے۔

۱ جامہ ہستی بہ ستی پارہ کردن خوش بود
بوئے گل از دامن صد چاک می آید بروں

جذبہ انسانی کے ساتھ اس شعر میں شاعرانہ خوبی اور نزاکت بھی موجود ہے کیا پاکیزہ مصرعہ ہے

روئے گل از دامن صد چاک می آید بروں

آگے فرماتے ہیں۔ ۲

بادہ خور بر چنگ دہر را مغتنم فرصت شمار
کس نمی داند چہ از افلاک می آید بروں

سال نو کی تہنیت سالگرہ کا خیر مقدم یا اپنے قیام و حشمت پر اظہار شکر بھی اسی فیاض اور مطمئن قلب کے فرحت افزا مظاہر ہیں۔ دیکھئے خوش و خرم پر سکون قلب کی آواز کیسی رنگین معلوم ہوتی ہے۔

۳ سال نو آمد و صہبائے کہن در جوش است
ہم صبا گشت گلبہائے طرب بر دوش است
وا کنون نے جو دف در پلاد قائل عثمان
زاہد و عابد و ہم شیخ حرم مے نوش است

اس سے مراد شاعر کے وہ خیالات

اخلاقیات ہیں جو فلسفہ، اخلاق، ترقی، شکر، و قناعت وغیرہ پر مشتمل ہوتے ہیں حضور پر نور نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ بعض مذہبی نکات، اور بعض زندگی کے اخلاقی مسائل کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور ظاہر ہے کہ اخلاقی شعر بھی بہت دن زندہ رہتا اور شہرت عام حاصل کرتا ہے مثلاً

۴ ناتواں چوں قوم شد بر گشتہ شد تقدیر او
علم صیقل می کند ہر ذہن را آئینہ سان

۵ ذہن صافی چوں بود بیدا بصیرت میشود
درمیان نیک و بد خود فرق سازد بیگماں

عمر خیام کا رنگ کس قدر پاکیزگی سے ظاہر فرمایا ہے۔

۶ در خزاں ما آب سادہ می خوریم
در بہاراں صاف بادہ می خوریم
بر زباں عثمان کہ قسام ازل
بہرہ از ہر چہ دادہ می خوریم

اخلاقی تعلیم کیلئے جذبہ کی صداقت اور اہلیت ضروری ہے اور اس صداقت کا پتہ ہم کو توصیف علم کے اس قطعہ میں ملتا ہے جو حضرت اقدس نے سلطان العلوم کی ذکر سی کی جشن گشتی کے وقت تحریر فرمایا تھا سلطان العلوم کے متعلق فرماتے ہیں۔

۷ می سزد آرے کسے را ایں خطاب باصواب
کو بود ہم عالم و ہم علم و فن را قدرداں

۸ گو بود گنج معالی مثل دریا بحر کمال
کو بود کان فراست کو بود اسرار داں

۹ ما بدولت را کہ انساں ہم خیاں انگاشتند
از رو جوش عقیدت از خواص بے کراں

جو بادشاہ حقیقی معنوں میں سلطان العلوم ہو اس کی زبان سے اشعار مندرجہ بالا کس طبعی نیکی، فراست اور روشن ضمیری کو بے نقاب کرتے ہیں چنانچہ ہم تشنہ کامان علم کیلئے حضور پر نور کا یہ پرجوش اور ہمت افزا شعر کام و دہن میں آب حیات کی جرعہ پاشی کرتا ہے۔

۱۰ ہست مرکوز دلم کیں مرکز علم و عمل
چشمہ فیض اتم باشد برائے تشنگاں

جیسا کہ ہم نے ابتدا میں کہا خسرو دکن کی فارسی شاعری اپنا ایک لطیف حسن رکھتی ہے اور اس حسن کے مختلف پہلو اور جلوے ہیں ان ضیا پاش جلووں میں سے ہم نے چند درخشاں نمونے منتخب کر کے ان کو بازار عمل میں لایا ہے ممکن ہے کہ دکن کے اس با اقبال بادشاہ سلطان العلوم کے فارسی کلام میں چند اور گوہر ہائے آبدار ایسے ہوں جن تک راقم کے مفلس ہاتھ اور کمزور دماغ نہ پہونچ سکتے ہوں لیکن اس مختصر تبصرے سے اتنا تو ظاہر ہو سکتا ہے کہ خسرو دکن کی فارسی شاعری، لطیف، مقبول اور شہرت پذیر ہے جس طرح ذات اقدس کے آئینے میں اور صفات کی تجلیاں جھلک رہی ہیں شاعری بھی ایک خاص ندرت اور رنگ کے ساتھ اس کو چار چاند لگا رہی ہے۔ آخر میں دعا ہے کہ خدا آپ کی شاعری کو اس سے زیادہ ترقی اور رونق عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

---

۱ جریدہ غیر معمولی ۵ ار اردی بہشت ۱۳۳۶ ف ۲ جریدہ غیر معمولی ۲۵ ار امرداد ۱۳۳۶ ف
۳ صبح دکن روزانہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء ۴ تا ۹ جریدہ غیر معمولی ۸ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ
۱۰ صبح دکن روزانہ نومبر ۱۹۲۹ء

نشاطِ جشنِ میلادِ حضور است

از علامہ عبداللہ العمادی ناظر مذہبی سررشتۂ تالیف و ترجمہ

شراب علم و حکمت در وفور است | خط جامش ہو اللہ الغفور است
بہ یمن ساقیٔ کوثر دریں دور | دکن سرجوش صہبائے طہور است

دلے با صبح روشن دل بیامیز | اگر ساکت زبان شمع طور است
یکے با نفحۂ گل ہمنفس شو | اگر دست بہاراں در قصور است

بتاب اے آفتاب بدر امروز | کہ وحدت بر احد گرم ظہور است
برائے مہر ذی النورین کامشب | بتاثیر سحر جویائے نور است
زمانے سر برآئے حیدرآباد | کہ صبح صادق از تو در ظہور است
بیا اے جامعہ جام از فلک گیر | کہ در مینا شعاع برق طور است
ببال اے شعبۂ دار التراجم | کہ روز جشن میلاد حضور است

تعالی اللہ شہنشاہ سخن سنج | کہ نظمش کیف مینائے طہور است
زمیں از مطلعش خورشید خاور | جہاں از مقدمش دار السرور است
بہ گلشن غنچۂ اخلاص گلریز | بصحن از زمزمہ بر لب طیور است

ز نظمش گوہر تابندہ چینند
کہ بحر شعر او دریائے نور است

خسرو دکن اور اردو شاعری

از جناب محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ال ال بی (عثمانیہ) مدیر مجلہ مکتبہ

عجیب اتفاق ہے کہ اردو زبان کی آفرینش سے لیکر اس وقت بھی، اس کو نہ صرف اکثر علم دوست بادشاہوں کا سایہ عاطفت نصیب ہوا۔ بلکہ ان کے شاہانہ افکار سے بھی وہ مستفید ہوتی رہی۔ دکن میں یہ عجیب اتفاق اور زیادہ اہم صورت اختیار کر لیتا ہے۔ قدیم اردو میں گولکنڈہ کے کئی علم پرست شاہوں کے نام آتے ہیں۔ جنہیں اس زبان کے ساتھ خاص محبت تھی۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ (۹۹۸ - ۱۰۲۰ھ) سلطان محمد قطب شاہ (۱۰۲۰ - ۱۰۳۵) اور سلطان عبداللہ قطب شاہ کے نام اردو زبان کے ساتھ خاص طور پر مانوس ہیں یہ تینوں اردو زبان کے بڑے عظیم الشان سرپرست اور سب سے بڑھکر یہ کہ خود بھی شاعر تھے۔ یہ تینوں صاحب دیوان ہیں۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ دکن میں معانی تخلص کرتا تھا اور فارسی میں قطب شاہ۔ اس کے دیوان میں بیشتر حصہ اردو اشعار کا ہے دیوان کے مخطوطے کمیاب ہیں گولکنڈہ کے شاہی کتبخانہ کا ایک نفیس مخطوطہ سرکاری کتب خانہ میں موجود ہے اور بعض خانگی کتب خانوں میں بھی کہیں کہیں اس کا ایک ادھ نسخہ باقی ہے۔

سلطان محمد قلی قطب شاہ کے دیوان کو اس کے بھتیجے اور جانشین محمد قطب شاہ نے مرتب کیا اس نے جبکہ دیوان کو مرتب کرتے ہوئے اس پر ایک منظوم دیباچہ بھی لکھا۔ جس سے بعض اہم امور پر روشنی پڑتی ہے محمد قلی قطب شاہ کی قادر الکلامی کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے دکنی اور فارسی میں پچاس ہزار اشعار کہے۔ تلنگی میں بھی شعر کہا کرتا تھا۔ دیوان کی ترتیب میں محمد قطب شاہ کی خوش اسلوبی ظاہر ہوتی ہے سلطان محمد قلی قطب شاہ کی اردو نظموں کو دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ اس ابتدائی دور میں ایسی صاف اور سلیس زبان وہ کیونکر استعمال کر سکا۔

محمد قطب شاہ کے عہد کے امن و امان نے اسکو محمد قلی سے بھی زیادہ علمی مشاغل میں منہمک رہنے کا موقع دیا اس نے دو دیوان چھوڑے پورا ایک دیوان اردو اشعار پر مشتمل ہے۔

عبداللہ قطب شاہ کے زمانہ میں گولکنڈہ میں اردو زبان کیلئے سنہرا زمانہ تھا اس نے بھی دو دیوان ایک فارسی اور ایک اردو چھوڑے شاعری میں اس کا پایہ اپنے دونوں پیشروؤں سے بلند ہے۔

گولکنڈہ کا آخری بادشاہ سلطان ابوالحسن تاناشاہ (۱۰۸۳ - ۱۰۹۸ھ) بھی کم رتبہ کا شاعر نہیں تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اس نے بھی کچھ نظموں کا مجموعہ چھوڑا یا تاہم اس کے شاعر ہونے میں شبہ نہیں اس کے چیدہ چیدہ اشعار منتشر ملجاتے ہیں

غرض اسی مختصر سی تحقیق آمیز سے اس امر کا ایک سرسری اندازہ قائم ہوجاتا ہے کہ اردو شاعری دکنی بادشاہوں کے پاس بڑی مقبول رہی ہے اس کا واضح ثبوت اس کے اولین دور میں بھی تذکرہ بالا شاہوں کا اس زبان میں فکر سخن کرنا ہے۔ حالانکہ شمالی ہند میں عرصہ تک اردو شاعری کو لوگ اپنی ادبی مساعی کا واحد ذریعہ بنانے سے پرہیز کرتے تھے۔ کیونکہ اس نوزائیدہ زبان کو کسی حال میں بھی وہ اپنے قدیم واسطہ خیال یعنی فارسی زبان کی جگہ نہیں دیکھتے تھے۔

مقامی ماحول روایات اور اثرات دنیا کی مہتم بالشان ہستیوں پر بھی اپنا سکہ جمائے بغیر نہیں رہ سکے۔ اسلئے کوئی تعجب نہیں کہ آصفجاہی بادشاہ جن کی زمین قطب شاہی عادل شاہی اور دوسرے علم دوست بادشاہوں کے کارنامے تھے اردو زبان کے ساتھ غیر معمولی انس رکھتے تھے۔ آصفجاہی بادشاہوں کی حکومت کا مقابلۃً پر امن زمانہ (۱۸۵۷) کی ہلچل کے فرو ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے آصفجاہی بادشاہ جنکو اس امن سے مستفید ہونے کا پورا پورا موقع ملا۔ مرحوم اعلیحضرت نواب میر محبوب علیخان غفران مکان تھے آپ کے

ذاتی محاسن اور علمی قدردانیوں کو چھوڑ کر ہم جس پہلو پر نظر ڈالنا چاہتے ہیں۔ وہ اعلیٰحضرت غفران مکان کی شاعری ہے جس کا بیشتر حصہ اردو زبان ہی میں ہے۔ نواب مرزا خان داغ دہلوی دربار کی شاعر تھے ان کے اطراف بیسیوں بڑے اور چھوٹے ملکی اور غیر ملکی شاعروں کا مجمع تھا اس فضا نے حضرت غفران مکان کی پوشیدہ شاعرانہ قوتوں کو نمودار کر دیا۔ اور اتفاق سے آپ نے مدارالمہام بھی ایسا پایا جس کو مبداء فیاض کی طرف سے شاعری کا ذوق عطا ہوا تھا۔ گویا خوب گذری کیلئے دو دیوانے ایک جا ہوگئے۔

حضرت غفران مکان بڑے پرگو و قادر الکلام شاعر تھے۔ آصف تخلص اختیار فرمایا تھا۔ زبان پر داغ کا اثر تھا خیالات کا داغ سے کہیں کہیں بلند ہوجانا چنداں قابل تعجب بھی نہیں۔ اس چیز نے حضرت غفران مکان کو اپنے زمانے کے اچھے شاعروں میں شمار کروا دیا

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم نے اس ماحول میں پرورش پائی پھر کیونکر آپ اس کے اثر سے گریز کر سکتے تھے جم کے جانشین کو ملک جم کے ساتھ جام جم بھی ملا تھا۔ اعلیٰ حضرت کو اپنے والد ماجد سے ملک کے ساتھ یہ جام معانی ورثہ میں ملا جس سے آپ اپنی فرصت کا بہترین استعمال فرماتے رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت کی ولادت اس وقت ہوئی جب کہ آپ کے والد ماجد کا دربار شعر و سخن کے جوبن پر تھا داغ امیر مینائی اور دوسرے قابل شعرا ہند اور دکن کے شعرا کا دربار میں مجمع رہتا اس وقت مدارالمہام حال صدر اعظم مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر کی شاعری کی بھی ملک میں دھوم تھی اور سر فیض، ملش، کیفی کے ترانے خوشحال اور شاعر اور نہ شاعر کے دلوں میں شعر گوئی کا خیال پیدا کر رہے تھے۔ یہ درحقیقت دکن میں قدیم اردو شاعری کا [illegible] دور تھا جس میں ہندوستان کے بہترین شعرا کا مجمع ہوگیا تھا اور باہر [illegible] مشاعرے منعقد ہوتے تھے گویا اوائل سن شعور ہی سے آپ شاعری سے مانوس ہو چکے تھے یہ معانی کے تخم تھے جو ایک زرخیز زمین میں نادانستہ طور پر بوئے جا رہے تھے [illegible] ہو جانے کے بعد ان کا درخت کی صورت میں نمودار ہونا ضروری تھا۔

اعلیٰ حضرت کی شاعری پیدائش کے یہ اسباب تھے لیکن اس جذبہ کو سنوارنے اور ترقی دینے والے اسباب بھی کئی ہیں سب سے پہلی اور سب سے اہم چیز جس کی ایک شاعر کو ضرورت ہے وہ قوت حافظہ ہے اس خزانہ [illegible] واقعات نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ ترتیب دیتا ہے اور محفوظ رکھتا ہے کہ ضرورت کے وقت توجہ کرنے میں وہ نظر کے سامنے موجود ہو جائیں [illegible] واقعات کے تحفظ کے [illegible] شاعر قدیم چیزوں کا [illegible] اس [illegible] چیزوں سے کرتا اور ان کے [illegible] انوکھے [illegible] کرتا ہے اعلیٰ حضرت کے حافظے کی قوت کا تو صرف وہی لوگ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں جنہیں ایک سے زیادہ مرتبہ مختلف حالتوں میں آپ کے حضور میں رہنے کا شرف ملا ہے۔ ایک مرتبہ جو چیز پر آپ کی نگاہ غلط انداز بھی پڑ جاتی ہے ہمیشہ ذہن میں رہنے کیلئے مرتسم ہوجاتی ہے

حافظے کی قوت شاعر [illegible] کے استعمال میں بھی بڑی مدد دیتی ہے ہم نے اس سے پہلے کہیں بیان کیا تھا کہ حالی نے شاعر کیلئے قدما کے کلام کو یاد رکھنے کی شرط لگائی ہے اس کی ضرورت اسلئے لاحق ہوتی ہے کہ ابتدا میں جب تک کوئی شاعر اپنی زبان کے باکمال اور مستند شعرا کے کلام میں استعمال الفاظ، محاورات، بندش اور روزمرہ سے کافی انس پیدا کرلے اس وقت تک وہ زبان کے استعمال پر کافی قدرت نہیں حاصل کرسکتا۔ اعلیٰ حضرت کو اوائل عمر ہی سے شعر کا ذوق تھا۔ اور اسی وقت سے تمام اردو کے باکمال شاعروں کے دیوان آپ نے جمع کئے اور متقدمین اور متاخرین کے کلام کا اپنی پسند کے موافق انتخاب بھی فرمایا یہ انتخاب مہاراجہ بہادر کی نظر سے گزرا ہے جس کی آپ تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

زمانہ شہزادگی میں حضرت نے متقدمین و متاخرین کے کلام سے انتخاب فرما کر جو ذخیرہ فراہم کیا ہے اس کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعر خوبی کا انتخاب ہوا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ اعلیٰحضرت کو شاعری کا کس قدر حقیقی ذوق اور اچھے کلام کی کس حد تک تلاش ہے۔ اس کاوش تلاش اور حقیقی ذوق نے آپ کے کلام میں خوبیاں پیدا کر دی ہیں۔

شاعری فن لطیف ہے اسلئے ظاہر ہوتا ہے کہ تمام فنون لطیفہ کے آپس میں ایک بڑی حد تک مناسبت ہوگی ابتدا میں اعلیٰ حضرت کو مصوری کا بھی شوق تھا مصوری کا کمال جس طرح رنگوں کے نازک فرق اور ان کی مناسب آمیزش سے ظاہر ہوتا ہے اس طرح اعلیٰ حضرت کے کلام میں الفاظ کا برجستہ استعمال ان کے جوڑ توڑ، مجموعی حیثیت سے تصویر کا سا عالم پیدا کرتے ہیں

آئینہ ہو تیرے اگر خوبی تقدیر سے ہم
روبرو ان کے پہنچنے کسی تدبیر سے ہم

جب تک فضل الہی شامل حال اور سعادت ابدی حاصل نہ ہو ایسا مطلع روشن کہہ سکتا ہے ؟ واللہ یہ اگر امر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ ایک وسیع رقبہ میں تقریباً برطانیہ عظمی اور ایرستان سے بڑی مملکت کی حکومت ہاتھ میں رکھے ہوئے اگر کوئی بادشاہ علمی اور ادبی مشاغل میں بھی حصہ لے سکے تو ظاہر ہے کہ اس کی کوششیں عالم میں کس قدر وقعت اور احترام کی نظروں سے دیکھی جائے گی جب ہم اس کا خیال کرتے ہیں کہ دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں مملکت کا وقت نکالنے کے بعد اعلیٰ حضرت کے اوقات عزیز سے کس قدر حصہ باقی رہ سکتا ہے ؟ اور جب اس حصہ سے بھی کچھ فرصت علمی اور ادبی مشاغل کیلئے نکالی جائے تو وہ یقیناً قدر کی مستحق ہے ہر انسان میں جذباتی پہلو اور جمالی حس ہوتی ہے بادشاہوں میں اس کا مرتبہ اور بھی اعلیٰ ہونا چاہیے اس کے اظہار کے بیسوں طریقے ہیں جن کا ثبوت بعض وقت مکروہ صورتوں میں ہم کو ان حکمرانوں کے دربار سے ملتا ہے جن کا بیشتر وقت ناچنے اور گانیوالوں کی صحبت اور شاہد و مینا کی صحبت میں ہوتا ہے۔ جب اس جمالی احساس کا اظہار اجتماعی اور انفرادی زندگی کا ایک اضطراری واقعہ ہی ہے۔ تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں۔ اس کی نمود شعری صورت میں اس کے اظہار کا بلند ترین ذریعہ ہوگی۔ خصوصاً جب کہ اس کا تعلق ایک سلطنت کے حکمران کے ساتھ ہو۔ اور ہم کو یہ معلوم ہو کہ اسی طرح کوششیں ہومر، ملٹن، شکسپیر، فردوسی، سعدی، رومی، سورداس اور غالب وغیرہ جیسے افتخار قوم ہستیوں کے پیدا کرنے پر قادر رہے یہی خیال تھا جو اس مختصر مضمون کی طرح اندازی کا باعث ہوا۔

قصیدہ در مدح اعلحضرت بندگانعالی

از مولانا سید شاہ ابراہیم عفو

غنی ہے ذات خداوند قادر و مختار
ہیں اسکے رحم کے محتاج کافر و دیندار

ہر ایک امر میں ہیں اس کی رحمتیں کتنی
گذر ہے عقل بشر کا جہاں بہت دشوار

وہ اس کا فضل ہے ہم پر کہ حد نہیں جسکی
ہیں اسکے ہم پہ وہ احسان نہیں ہے جسکا شمار

اوسی نے بخشا جہاں میں بقدر استعداد
بشر کو علم و شرف اور زمیں کو برگ و بار

بقا سخن کو اثر نغمہ کو بتوں کو ناز
گہر کو آب تو شاعر کو طبع گوہر بار

بصر کو ذوق بصیرت گلوں کو رنگ و بو
روانی آب کو شاہوں کو رحم و حلم و وقار

وجود شاہ دکن ہے ظل سبحانی
ہیں جس کے سایہ میں راحت سے اہل ملک و دیار

محبت آپ کی ہر حال میں فرض ہے اپنا
اطاعت آپ کی واجب ہے ہم پہ لیل و نہار

سنا دل [illegible] دکن [illegible]
کہ جن کو دیکھ کے غنچے کا دل کھلے یکبار

ہے آفتاب جو مستعار پادشاہ پہ نثار
شعاع مہر ہے جن سے لطف [illegible] زار

نہ فیض مہر کا ہمرنگ کیوں آپکا فیض
ودیعت آپ میں سارے ہیں سب [illegible] کے شمار

کلی کا کھلنا ہے گویا لب تبسم ریز
شگفتہ رہتی ہے قربان صبح فرحت بار

اگر وہ سنگ کو ٹھوکر لگائیں پارس ہو
جو خاک ہاتھ میں لیں ہو طلا و دست افشار

سیاست آپکی رنج طبع کیلئے رحمت
وہ سیدھا ہو رہے جس طرح مشتری کا تار

بڑھی وہ سطوت شاہی سے شہر کی رونق
کہ شب ہے بزم چراغاں تو دن ہے زین بہار

ہمیشہ آپکو ہے امن و راحت خلق
ہوا ہے شاہ پہ عالم شیفتہ دل سے نثار

بیان کیسے ہوں کیونکر حضور [illegible]
ہیں ایک ذرہ صفت وہ مہر پر انوار

بس اب دعا کیلئے ہاتھ اٹھا اے غفور
کہیں سب فرشتے بھی آمین کیا عجب ہر بار

الہی دہر میں جب تک سخن کی قدر رہے
ہجوم زر ہو دلوں کا ہے [illegible] و پیار

ہو ماہ و مہر سے جب تک آسماں روشن
چمن میں شاہ دکن کے رہے ہمیشہ بہار

عطا ہو عمر حضرت بندگان عالی کو
بجاہ سرور کونین و آلہ الاطہار

ہوں دوست آپکے گل کی طرح سدا خنداں
ہوں دشمن آپکے مردود اور ذلیل و خوار

بارگاہ سلطانی کا اظہار مسرت و وفاداری کچھ کم نہ تھا۔ ہر کوچہ و بازار میں چراغاں کی کثرت، خلائق کا گروہ در گروہ ہجوم، ہر مذہب و ملت کے پیروؤں کی جانب سے کمانوں کی تنصیب اور ان پر دعائیہ اشعار کی تحریر، ایک عجیب سماں تھا، اور بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسجد و مندر، موبد، کلیسا ہر مقام سے حضور کے عمر و اقبال کی دعائیں صحیح اور بے ریا جذبات وفاداری کے ساتھ کیجا رہی ہیں اور ہر شخص اپنے ہر دلعزیز بادشاہ کے دامن دولت سے توسل و وابستگی پر پیکر فخر و شکر ہے۔

یہ ہر دلعزیزی ... اور اصول حکومت کرنے کا وہ روشن نقطہ آخر ہے جہاں پہنچنے کے بعد کسی توضیع و تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

ہر چند کہ مشرق کو اپنے تاجداروں کے ساتھ عقیدت و ارادت میں روایتی شہرت حاصل ہے لیکن نہیں سمجھتا کہ تاریخ اپنے تمام آثار و مناظر کے ساتھ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے جس میں کسی بادشاہ کی ہر دلعزیزی، کسی تاجدار کے ساتھ اظہار وفاداری کے نقوش اس سے زائد دل پذیر اور خوش آیند نظر آتے ہوں۔ جس کا اظہار سلطان دکن سلطان العلوم خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے شاہانہ خیر مقدم کے موقع پر کیا گیا اور جس کے شواہد ہر قدم پر روز افزوں پائے جاتے ہیں بعض ناعاقبت اندیش اور بعض پرواز صحیفہ نگار اور عوام کا لانعام نے جنکی روحیں تعصبات اور ذلیل جانبداری کے کثیف محسوسات سے لبریز ہیں، چاند پر خاک ڈالنے اور سورج کی تیز و نظر آزما شعاعوں کو اپنی "بے چادری" کی نقاب میں چھپانے کی کوشش کی لیکن جس طرح یہ صحیح ہے کہ منظر شور ناظر کے تخیل پر یا ان نقوش کا جو اس کی روح پر ثبت ہوتے ہیں، مظہر ہوتا ہے،

اسی طرح یہ بھی کسی بحث مزید کا محتاج نہیں ہے کہ یہ جو کچھ ان سے ظاہر ہوا وہ خود انہیں کی مکروہ حقیقت کے قابل نفرت تعصبات اور سراپا حقارت خیالات کا آئینہ تھا۔ ورنہ یہ آفتاب کی طرح روشن و آشکار ہے کہ حضور اقدس و اعلیٰ کی حکومت میں صدارت عظمیٰ کے عہدۂ جلیلہ سے لیکر سلطنت کے تمام ذمہ دارانہ اور غیر ذمہ دارانہ عہدوں کی ترتیب و تکمیل میں رنگ و خون کا کوئی امتیاز نہیں کیا جاتا۔ کابینۂ حکومت کی جو ترتیب حضور کے دور ابتدائی سے اب تک رہی ہے وہ کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور نہ اس پر کوئی پردہ ڈالا جا سکتا ہے حال ہی میں مقدمہ ناندیڑ کے سلسلہ میں بارگاہ سلطانی سے جو حکم شرف صدور پایا وہ خود معدلت شاہانہ کا ایک بین ثبوت ہے کیا اس بے ریا عدل و انصاف کی کوئی نظیر پیش کیجا سکتی ہے؟

غرض ان "شپرہ چشم" افراد سے قطع نظر جو دنیا کو رات کی تاریکی میں دیکھنے پر مجبور ہیں مشرق و مغرب کی فضا سلطان دکن کی عدل گستری، رعایا نوازی، اور شاہانہ اکرام و عطا کے فیوض سے لبریز ہے اور مسلمان تو خیر، اگر اس مہی اسلامی بادشاہ کی ذات گرامی پر جس قدر فخر کریں وہ بجا تر ہے تمام مذاہب کے پیرو حضور اقدس کا وہی شاہانہ ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہیں جو خود مسلمانوں کے دل میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اکبر و عالمگیر کی طرح عدل و انصاف۔ اور ہر دلعزیزی کیلئے شاہان اسلام میں حضور کا مرتبہ اس قدر بلند ہے جسکی کوئی مثال نہیں ملسکتی۔

خدا ہمارے بادشاہ فلک اقتدار کو ... اب میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور شاہزادگان بلند اقبال شہزادیاں فرخندہ فال کی عمریں دراز و اقبال بلند کرے

اعلیٰحضرت کا طرز زندگی

از
جناب عزیز احمد صاحب متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ

(۱)

ایک مغربی ادیب کا قول ہے تاجدار بھی انسان ہی ہوتا ہے اس کے پہلو میں بھی ایک دھڑکتا ہوا دل ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں بھی پانچ ہی انگلیاں ہوتی ہیں اسکی روزمرہ زندگی بھی عام انسانوں کی سی ہوتی ہے تاج کو اسکی عزت و عظمت و بلندی کا معیار قرار دینا غلطی ہے اس کی عزت کا باعث اس کا دماغ ہوتا ہے اس کی عظمت کا باعث اسکی زندگی ہوتی ہے صرف بیکر خوبی کارنامے اسکی فتوحات ہی اسکی عظمت کی کسوٹی نہیں ثابت ہوسکتیں اسکی روزمرہ زندگی بھی اسکی شخصیت کو بلند کرنے میں مدد دیتی ہے۔

اس طرح سے یہ دیکھنا کہ تاجدار کا طرز زندگی کیسا ہے بہت سبق آموز ہے بادشاہت صرف تخت پر بیٹھ کر تاج پہن لینا نہیں۔ بادشاہت کا مفہوم بہت اہم اور دقیق ہے۔ کارلائل کہتا ہے کہ "کسی ملک میں قابل ترین آدمی تلاش کرو، اسکو وہ خاص مرتبہ دو اور وفاداری سے اسکی اطاعت اور عزت کرو" بادشاہ کی صحیح تعریف ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ اس قابل ترین آدمی کا طرز زندگی بھی بہترین ہو کیونکہ بقول رڈگی لف بادشاہ کی بہترین سیاست اسکی خانگی سیاست ہوتی ہے اور اسکی قابلیت کا بہترین مظہر اس کی روزانہ زندگی ہوتی ہے۔"

اب ہم خسرو دکن خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کی طرز زندگی پر ایک نظر ڈالیں گے۔

(۲)

اعلیٰحضرت دام اقبالہ کی طرز زندگی پر جب ایک طائرانہ نظر ڈالی جاتی ہے تو اسکی سب سے بڑی خصوصیت ہمیں ان کی سادگی نظر آتی ہے سادگی جس میں ایک خاص کیفیت۔ ایک خاص شان۔ ایک خاص پوشیدہ شوکت نظر آتی ہے!

جب شام اور فلسطین کے عالیشان شہروں پر قیصر روم کے بجائے خلفا اسلام کا پرچم لہرانے لگا تو معترضین سمجھتے تھے کہ خلیفہ ثانی کا دربار قیصر کے دربار سے کہیں زیادہ پررونق ہوگا۔ مگر جب فاتح شہنشاہ بیت المقدس میں عہد نامہ صلح مرتب کرنے داخل ہوا تو اسکا غلام اونٹ پر سوار تھا اور وہ خود مہار تھامے تھا کیونکہ اب غلام کی اونٹ پر سوار ہونے کی باری تھی۔ خلیفہ کے لباس میں پیوند لگا ہوا تھا مگر کیا یہ شکستہ حالی یہ سادگی قیصر و کسریٰ کے ظاہری نام و نمود سے زیادہ کیف آور نہ تھی۔ کیا اس سادگی میں وہ شوکت خاموش نہ تھی جس نے قیصریت کے تختے کو الٹ دیا تھا۔

یہ بھی سادگی تھی جسکی تشریح علامہ اقبال نے ان مصرعوں میں کی ہے:

سروری در دین ما خدمت گری است — عدل فاروقی و فقر حیدری است
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند — در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارت فقر را افزودہ اند — مثل سلمان در مدائن بودہ اند
حکمرانے بود و سامانے نداشت — دست او جز تیغ و قرآنے نداشت
ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست — بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

یہی سادگی مسلمان تاجداروں کی طرۂ امتیاز رہی ہے۔ سادگی ہم خسرو دکن میں بھی دیکھتے ہیں اور یہی وہ سادگی ہے جو اپنے اندر شوکت وصولت کا ایک جہان رکھتی ہے۔

(۳)

خسرو دکن خلد اللہ ملکہ کی سب سے بڑی قابل ذکر خصوصیت جو ان کے طرز زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ مذہب سے انس ہے۔ یہ وہی خصوصیت ہے کہ جس نے اعلیٰحضرت کو چالیس کروڑ مسلمانوں کے دلوں کا حاکم بھی بنا دیا ہے۔

بلاناغہ دن میں پانچ بار دکن کا بادشاہ خداوند جل جلالہ کے سامنے سر نیاز خم کرتا ہے ظل اللہ، اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ اللہ کی پرستش کرتا ہے دلی سوز و گداز کے ساتھ۔

اور یہی وجہ ہے کہ جب تمام زمانہ کی دور جدید سے تنگ آجاتے ہیں۔ اور کوئی آسرا کوئی ٹھکانا نہیں پاتے تو ان کی نگاہ [illegible] پر جا پڑتی ہے۔ اور وہ پکار اٹھتے ہیں۔

از جناب منظور حسین صاحب طاہر قادری

اعلیحضرت قدر قدرت سکندر شوکت ہز اگزالٹیڈ ہائینس نواب سر میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

آپ اس مبارک ہستی کے شرف صد کرہے متعدد مرتبہ فیضیاب ہوتے ہوں گے لیکن اگر آپ نے اسی نظر سے دیکھا جس نظر سے ایک تیورا در حقیقت میں انسان کو دیکھنا چاہئے تو آپ کی نگاہیں واقعی قابل ستائش ہیں لیکن اگر آپ کا مشاہدہ صرف اسی حد تک محدود رہا کہ آپ ایک پیکر امارت سطوت کو دیکھ رہے ہیں تو آپ کو واللہ کچھ نظر نہیں آیا بہرحال میں چند آئینے آپ کے آنکھوں کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اُن سے پوچھیے، اور سمجھیے کہ وہ مبارک وجود جس کے دیدار سے عقیدت بھری نگاہیں اکثر لطف اندوز ہو چکی ہیں کیا سعید اور جامع کمالات ہستی ہے اور اس کے قابل تقلید کیرکٹر کی مثال اس زمانہ میں کس حد تک مغتنمات سے ہے۔

عبادت معراج انسانیت حقیقت میں طاعت خداوندی ہی کا نام ہے اس دور الحاد و دہریت میں جبکہ سرکش بندوں کے دماغ تکبر و نخوت کے نشہ سے مخمور ہیں دنیا نے خدا کو بھلا دیا ہے۔ اہل دنیا کو اپنے تفریحی مشاغل کے انہماک کی وجہ سے اس قدر بھی فرصت نہیں ملتی کہ کسی وقت خدائے قدوس کے سامنے سرِ نیاز کو جھکا دیں جس طرف نظر اٹھائیے ذرہ ذرہ سے تکبیر و فرعونیت دہریت و لا مذہبیت کا طوفان ابلتا ہوا نظر آئے گا۔ لیکن **باغ عام کی مسجد** کی اینٹیں اسکی گواہ ہیں کہ چلچلاتی دھوپ میں ایک مقتدر بادشاہ مسافت طے کرنیکے بعد کس عجز و انکساری کے ساتھ خدائے قدوس کے سامنے سرِ نیاز جھکا دیتا ہے جبکہ معمولی معمولی امرا کو جس کی شائیہ لیے سے گزرنے والی خوشگوار ہوا تھپکیاں دیکر سلا دیتی ہے۔

حقیقت میں تاجدار دکن کا یہ ذوق عبادت اس قابل ہے کہ مشاہدہ کرنے والی نگاہ ذکی کیفیات میں ایک عملی ارتعاش پیدا ہو جائے

مساوات دنیا ”مساوات مساوات“ پکار رہی ہے متمدن اقوام فرقہ پرستی کے خصائص کا استیصال چاہتی ہیں یورپ کا دعویٰ ہے کہ ”مساوات ہی انسانی ہیولے کی ہیئت ترکیبی کا روحانی عنصر ہے“ لیکن چشم فلک گواہ ہے کہ ان بلند آہنگیوں کے باوجود عملی میدان میں چلنے والوں کے نقش پا بھی نظر نہیں آتے ہاں البتہ اسلام کو اس کا فخر حاصل ہے کہ جس مساوات کی تعلیم اس نے دی اس کے پیرو اسکی مکمل تصویر بن گئے اور جب تک اس تصویر کے خط چمکتے رہے۔ آسمان سطوت و حکومت کا ہر آفتاب اُن کے سامنے ماند پڑ گیا اور بزم نخوت و تکبر کی ہر شمع جھلملاتی رہی۔ لیکن اس شاہراہ سے ہٹنے کے بعد یہ قرن دست اُن کا مسکن بن گیا مگر الحمد اللہ کہ اس دور اظہار نفس و تفوق میں بھی حیدر آباد کے مقدس جلسوں میں ہم نے ایک با سطوت بادشاہ کو غریب و نادار رعایا کے پہلو بہ پہلو بیٹھا ہوا دیکھا ہے۔

تاجدار دکن کی یہ قابل قدر عملی تعلیم اس قابل ہے کہ دنیا اس مساوات کی تقلید کرے۔

سادگی معاشرت معاشرت میں جس قدر تزک و احتشام کا عنصر غالب ہوگا۔ اسیقدر اسکے لوازمات اکو مہیا کرنیکی خاطر انسان محو تفکرات و مصائب رہیگا اور تکمیل مقصد کا یہ فردوس نظر خیال امتیاز حلال و حرام کو سلب کر دیگا دنیا کی تاریخ کو اٹھا کر مطالعہ کیجئے اور انصاف کیجئے کہ ان جملوں کی کس حد تک واقعات سے تطبیق ہوتی ہے کہ ملک اور قوم اسی وقت تباہ و برباد ہوئے جب کہ جزو راحت جزو معاشرت بن گئی۔ اسی نظریہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے شہنشاہ کونین حضور سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اپنی معصوم معاشرت کی دنیا کیلئے ایک دلکش مثال قائم کردی کہ وہ مقدس ہستی جس کے غلاموں کے قدموں سے قیصر و کسریٰ کے تخت مشرق میں سکے پیرہن مبارک میں متعدد پیوند لگے ہوئے ہیں دنیا

اس تعلیم کر بہت کچھ بڑھا چکی ہے۔ لیکن اعلیٰحضرت تاجدار دکن کے پیراہن میں ہم نے بھی پیوند لگے دیکھے ہیں۔ کس قدر روح مسرور ہو گی حضور سرکار دو جہاں روحی فداک کی کہ اُن کا ایک فرمانروا اُمتی باوجود فراوانی دولت اور توفیر مال و متاع کے کس سادگی سے زندگی بسر کرتا ہے

بہبودی خلق

وہی آدمی انسان کہے جانے کا مستحق ہے جس کا دل بنی نوع انسان کیلئے جذبات ہمدردی سے لبریز اور جو رفاہ عام اور آسائش خلق کیلئے کچھ کچھ ایثار گوارا کر لیتا ہے اگر بدقسمتی سے کسی آدمی کا دل اس جذبہ سے خالی ہے۔ تو پھر اس انسان اور درندہ میں کیا فرق ہے؟ سرزمین دکن اس جذبہ مسعود کی ہمہ گیری اس قابل ہے کہ اس پر تحسین و ستائش کے مرحبا نوالے پھول نچھاور کئے جائیں کہ یہاں کے مسعود بادشاہ (خلد اللہ ملکہٗ) نے رفاہ عام کی خاطر کیا کیا سہولتیں اور آسانیاں مہیا کی ہیں۔ اگر اس اجمال کی تشریح کی جائے تو غالباً دفتر کے دفتر اس کے لئے ناکافی ہوں گے۔ منفعت علم و تمدن کی بجلیاں اپنی پوری قوت کے ساتھ خرمن جہالت کو خاکستر بنا رہی ہیں اور ہر بینا آنکھ اس کی چمک سے بہرہ اندوز ہے علم جیسی گرانقدر نعمت پانی کی طرح دکن کی گلیوں میں بہا رہی ہے۔ ایک طرف اشاعت تعلیم کے یہ سامان ہیں۔ تو دوسری طرف صنعت و حرفت کے ترقی خوشہ چینوں کیلئے مضطرب استقبال ہیں۔ غرض سہولت و آسائش کے جملہ سامان مہیا ہیں۔ حقیقت میں یہ وہ نعمتیں ہیں جن کا شکریہ سرزمین دکن کے ذرہ ذرہ کو ادا کرنا چاہیئے۔

آزادی مذہب

رواداری مذہب ایک وہ جوہر ہے جس میں کامیابی حکومت کا راز مضمر ہے۔ ایک ایک حکومت اگر چاہے تو اپنے تحکمانہ استبداد سے غیر مذاہب کی آزادی کا بہت کچھ خون کر سکتی ہے لیکن نتیجہ یہ ہو گا کہ خون آزادی کی چھینٹیں اُس کے دامن کو خود اس درجہ رنگین بنا دیں گی۔ کہ رعایا کے دل میں بعد مشاہدہ منظر خونیں خود نفرت و عداوت کے جذبات پیدا ہو جائیں گے اور ان جذبات کی نشو و نما ہی حقیقت میں بربادی حکومت کا واحد ذریعہ ہے۔ کیونکہ یہ پوشیدہ بے چینیاں آگے چلکر ظاہر ہو جاتی ہیں اور ہنگامی کیفیت رونما ہو جانیکے بعد سلطنت کی مستحکم سے مستحکم دیواریں بھی مرتعش ہو جاتی ہیں۔ اسلام کے مقدس خلیفہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو آزادی مذہب کا ایسا فقیدلہ ثبوت دیا جسکی نظیر دنیا پیش کرنے سے عاجز ہے، کہ باوجود فتح کرنے کے بیت المقدس کے کلیسا میں نماز نہ پڑھی محض اس خیال سے کہ غیر مذہب والوں کی دلشکنی نہ ہو اس دور تمدن میں جبکہ حکومتیں اعلان کرتی ہیں کہ کسی مذہب میں مداخلت کرنا ہمارے اصول حکومت اور دستور سیاسی کے منافی ہے ہم ان دعوؤں میں اصلیت کا شائبہ بہت کم پاتے ہیں اسوقت مسجد کانپور کے شہیدوں کی نعشوں پر ماتم کرنا نہیں چاہتے۔ ہماری خواہش کم از کم اسوقت یہ نہیں ہے کہ فلسطین کے خونیں لالہ زار کے کچھ مناظر آپ کے سامنے پیش کریں ہم صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ اس دور میں بھی حکومت دکن کے ایوان آزادی مذہب کے امتیازی نقوش سے مزین ہیں اسلامی حکومت ہونیکے باوجود مندروں کے ناقوس کی گونج فضائے آسمانی میں تلاطم پیدا کر رہی ہے اور آتشکدوں کی گرمیاں سرد ہونے نہیں پاتیں۔ گرجاؤں میں صلیبوں کے سربفلک نشان آسمان سے باتیں کر رہے ہیں غرض ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے بڑے بڑے معزز عہدوں پر غیر مذاہب کے پیرو متمکن ہیں۔

اگر اس آزادی مذہب پر کوئی دنی الطبع اور شریر الاصل محض مشکلات حکومت میں اضافہ کرنے کی خاطر غلط واقعات کو شہرت دینا چاہتا ہے۔ تو یہ اُسکی فہم کا قصور ہے اُسکی نگاہوں کا نقص ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

سخاوت

سخاوت کی تعریف میں خواہ کس قدر ہی سخاوت کیساتھ الفاظ کا ذخیرہ مہیا کرے۔ تاہم ہر ذخیرہ ناکافی ثابت ہو گا۔ اور تعریف نہ ہو سکیگی۔ اوصاف انسانی کا وصف سخاوت بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے جس کا ہر پہلو تابناک اور زرین ہے۔ الحمد اللہ دکن کی سرزمین میں سخا کا بحر مواج بھی لہریں لے رہا ہے جسکی موجیں ہندوستان کے طول و عرض کو نہیں بلکہ ترک و عرب یورپ و افریقہ کے سرزمین کو بھی شاداب بنا رہی ہیں۔ اور لاکھوں بندگان خدا کے مزرع امید کی شادابی صرف اسکے چھینٹوں سے وابستہ ہے۔

مبارک ہے مملکت دکن اور مبارک ہیں اس کے بسنے والے کہ اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہٗ جیسے بیدار مغز اور غریب پرور بادشاہ انکے حکمراں ہیں جن کا دور حکومت حقیقت میں آسائش و مسرت۔ اطمینان و عافیت کا دورہ جو حقیقت میں نوادر روزگار سے ہے۔

خدا اس مبارک عہد عثمانی کو تا قیامت قائم رکھے اور حاسدان بد بین اور دشمنان عیب جو کی معاندانہ کوششوں کو ناکام بنا دے۔

آمین یا رب العالمین

بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

تقریب سالگرہ ہمایونی

تخمیس بر مطلع مطلعت حضور بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی دام اقبالہ

از کپتان محمد اعجاز علی صاحب شہرت

قرار سیر کیواں تا مدار مقتدیں باشد | چو زہرہ سعد مشتری تا ہم قریں باشد | نظام شمس تا از فیض عقل اولیں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

عروج نسر طائر با ثوابت بالیقیں باشد | اسد تا کہ الجبہ پے نور جبیں باشد | بہ دوش ثور تا عقد ثریا جاگزیں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

خدایا شوکت و اقبال سلطاں بیش ازیں باشد | بر دو نقش و نگار آیہ فتح مبیں باشد | لوائے شاہ با انا فتحنا ہم قریں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

زبانش تابع فرماں جہاں زیر نگیں باشد | وفائے خسرو ذیجاہ در دلہا مکیں باشد | رواں فرمش ز ارض ہند تا سام و چیں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

بدست او کلید کعبۂ ایمان و دیں باشد | علم انا فتحنا پر شہم مبیں باشد | لوائے شاہ با آیات نصرت ہم قریں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

نگہبانش خدائے پاک رب العالمیں باشد | اگر لطف حیدر کرار ختم المرسلیں باشد | بجاہ و عمر و دولت و ممالک تاج و نگیں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

دعا از ما و آمیں از لب روح الامیں باشد | ہمایوں جشن جمشیدی بہ آئیں ہمیں باشد | الٰہی شوکت سلطاں تا یوم دیں باشد

مہ خورشید تا رخشاں سر چرخ بریں باشد ‖ سر آرا نظام الملک بر روے زمیں باشد

حیدرآباد کا نشاۃ ثانیہ

از ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب پی ایچ ڈی پروفیسر جامعہ عثمانیہ

صبح دکن کے قابل مدیر کی یہ خواہش
تھی کہ میں اس نمبر کے لئے اس امر پر بحث
کروں کہ دور حاضرہ دکن خصوصیات کی بناء
دکن کا نشاۃ ثانیہ (رینے سانس
Renaissance)
بتلایا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا سوال ہے کہ
جس کا جواب صحیح معنوں میں آئندہ نسلیں ہی
دے سکتی ہیں۔ ہم ایک حیثیت سے اس
ماحول کی پیداوار ہیں اور دوسری حیثیت
سے اس کی زندگی کے معاون اور پرورش
کرنے والے۔ ایسی صورت میں ماحول کی
تحلیل ہمارے لئے ایک مشکل کام ہے۔ حقیقت
ہے کہ انسان خود اپنی زندگی میں اپنی
حالت کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اسیطرح
اگر اپنے ماحول کی تصویر کھینچنے کی کوشش
کی جائے تو تناسب کا قائم رکھنا ایک دقت
طلب امر ہوگا۔ جو لوگ ایسی کوشش کرتے
ہیں (خصوصاً یورپ میں) وہ بڑی دور
نئی نئی تصویریں دنیا کے سامنے پیش
کرتے ہیں لیکن ہر تصویر میں کچھ نہ کچھ خامی
رہ جاتی ہے۔ یہ تصویریں اکثر پروپگنڈا
سے آلودہ ہوتی ہیں۔ چونکہ میرا مقصد یہ نہیں ہے
اس لئے جناب مدیر یہ توقع نہ رکھیں کہ
میں دور کی کوئی خاص تصویر ان
کی خدمت میں بھیج رہا ہوں۔ البتہ
نفس مضمون کا سمجھانا کرنے دو ایک
ایسے پہلوؤں کی طرف اشارہ کردوں گا
جن سے نشاۃ ثانیہ کی نسبت میں اکثر
خیال رکھا جاتا ہے۔

رینے سانس ایک فرانسیسی لفظ ہے
جس کے عام لغوی معنے "احیاء علوم
وفنون" ہیں۔ چونکہ یہ لفظ یورپی ارتقائے
تہذیب کے ایک خاص دور کی خصوصیات
کا حامل ہے اس لئے اس کے تاریخی معنی
کسقدر محدود ہوجاتے ہیں۔ احیاء علوم وفنون
سے یہاں مراد ان علوم وفنون کا احیاء
ہے جو قدیم یونانی ذہنی تاثرات
سے چودھویں اور سولھویں صدی کے
درمیان یورپ میں پیدا ہوئے لیکن
جہاں تک واقعات کا تعلق ہے میرے
خیال میں رینے سانس کا مفہوم ان
تاریخی اور لغوی معنوں سے زیادہ
وسیع ہے جس کے لئے ہمارے ہاں نشاۃ
ثانیہ کی اصطلاح [illegible] وضع اور موزوں
ہے۔ یوروپی رینے سانس نے بلاشبہ
یوروپی علوم وفنون کو زندہ کیا
لیکن اس کا دائرہ عمل علوم وفنون تک
ہی محدود نہ رہا بلکہ اس کے اثرات
ہر شعبۂ زندگی میں کام کرتے رہے۔ سلسلۂ
واقعات کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں
یہ کہہ سکتا ہوں کہ رینے سانس بجائے خود
ایک اور قوت کا نتیجہ ہے جو علوم وفنون کی
طرح انسان کی دیگر سرگرمیوں پر بھی اثر
انداز ہوئی۔

یہ قوت یا حرکت نتیجہ ہے ان [illegible]
ضروریات کا جن کو ترکی فتوحات کی وجہ
سے یورپ نے شدت کے ساتھ
محسوس کیا۔ ایک طرف سے یونانی علماء
اور ماہرین فن ترکوں کے خوف سے
مغربی ممالک میں پناہ گزیں ہوتے رہے
اور تعلیم کو معاش کا ذریعہ قرار دیکر
ان ممالک میں علم وفن کو زندہ کرتے
رہے۔ دوسری جانب سے جب تجارتی قافلوں
کی راہیں ترکوں کی وجہ سے بند ہوجاتی
ہیں تو نئے راستوں کی تلاش جستجو
شروع ہوجاتی ہے کوئی آفریقہ ہوتے
ہوئے ہندوستان پہونچتا ہے اور کوئی
راہ بھٹک کر ایک نئی دنیا کے کنارے
جا لگتا ہے۔ پھر دولت کے نئے منابع
شروع ہوجاتے ہیں۔

یاد رہے کہ رینے سانس کے آغاز سے
پہلے یورپ میں ہر طرف جہالت اور
تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ ذہن انسانی
پابہ زنجیر ہوگیا تھا روشن خیالی کا علم سے
محروم تھے۔ ان کے مذہبی پیشوا انکشاف

کھڑا پڑھا جاتا تھا لیکن ان کا علم بالکل محدود
تھا۔ جو چیز ان کے مذہب سے موافق نہیں
ہوتی تھی وہ انسان کے سیکھنے کے قابل نہیں سمجھی
جاتی تھی۔ اس طرح نہ فلسفہ فروغ پا سکتا تھا اور نہ
سائنس اور نہ ادب یا فنون ہی جو جذبات لطیف
اور زندگی کی ترجمانی کر سکتی۔ لیکن جب
نئے سائنس کی تحریک شروع ہوئی
نے اور بیان کر دیتے ہیں تو انسانی دماغ
کو نشاۃ ثانیہ
ہوا تھا آہستہ آہستہ لوگوں نے محسوس کیا
زندگی کے ہر شعبہ میں آزادی کی لہر اٹھنے لگی
دھرمی دنیا میں بھی جہاں آگئی لیو دہم جس
وقت مذہبی تخت پر جلوہ افروز ہوا تو یہ کہہ
دیا کہ اس سے تخت پاپائی سے لذت اٹھاؤنگا
کیونکہ خدا نے اس تخت کو سرا پیر دکیا ہے اس
طرح اس نے بھی اپنی ذہنیت کو مذہب سے آزاد
کر لیا۔ یہ زیادہ ذہنی ماحول جو رفتہ رفتہ
نشاۃ ثانیہ کے باعث یورپ میں پیدا ہوگیا
لیکن آزادی ایک دن کی کمائی نہیں ہوتی۔
اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ چیز بھی ذہن نشین رکھنی
چاہئے کہ جب کبھی آزادی اپنے قیود سے باہر جاتی
ہے تو پھر وہ ٹھوکریں کھانے لگتی ہے جس کی بہت سی
مثالیں یورپ میں مل سکتی ہیں

صنوبر باغ میں آزاد بھی ہے پا بہ گل بھی ہے
انہیں پابندیوں میں حاصل آزادی کو تو کرے

جب تک اس اصول پر آزادی پابند رہتی
ہے جو اپنے جلوے دکھاتی اور انسان کو صحیح
معنوں میں زندگی بسر کرنے کا موقع دیتی ہے لیکن
آزادی اور پابندی کے اپنے حدود وابستہ ایک
کشمکش کا نتیجہ ہوتے ہیں یہی وجہ ہے کہ آج
سے پانچ سو سال پہلے یورپ میں جو نئے سائنس
پیدا ہوا تھا۔ وہ اب تک اسی قسم کی کشمکش میں
مبتلا ہے

اس یورپین نئے سائنس سے کئی سال پہلے
ایک اور نئے سائنس ظہور میں آچکا تھا
اور وہ بھی ایک ریگستان میں جس
کو ملک عرب کہتے ہیں۔ یورپ میں
نشاۃ ثانیہ کا مطلب یونانی زندگی
کا از سر نو زندہ یا تازہ کرنا تھا
اور عرب کی نشاۃ ثانیہ کا مقصد
خدا کی شریعت کو از سر نو اجاگر
دینا تھا۔ عرب میں جہالت تھی
اور یورپ سے بڑھ کر تھی لیکن یہ
ذات عرب کی اس نئے سائنس کی
بدولت ایسے بھی گذرے جو مغرب
کیلئے قابل رشک تھے۔ عرب "نئے
سائنس" سے پہلے سرزمین منور ہیں
تھی۔ "نشاۃ ثانیہ" کا ایک دور آیا
جس کی سکوت گھٹا ز جیسا کہ
کرتی رہتی ہے یہ بھی چند دن کی
سرگذشت تھی۔

اب ملک دکن کی طرف توجہ
کیجئے۔ جب یہ مبارک دور دور
عثمانی شروع ہوا تو دکن کی حالت
اگر دکن کی عام رعایا کی ذہنیت کا لحاظ
رکھا جائے تو تقریباً برٹش انڈیا کی
سی تھی لیکن جب مہذب طبقہ کا قیاس
کیا جاتا ہے تو ایک حد تک بیگانہ
تھی۔ برٹش انڈیا میں کسی قدر مغربیت
طاری تھی یعنی یورپین "نئے سائنس"
کے اثرات زیادہ نمایاں تھے اور
دکن میں مشرقی اثرات کی حکمرانی تھی
بہرحال کشمکش یہاں بھی جاری تھی
اور وہاں بھی۔ دور آخرہ کی سب
سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ مصالحت
کا بیج سب سے پہلے اسی عہد
میں بویا جاتا ہے۔

مشرق اور مغرب کا یہ
سنگم قرار دیا جاتا ہے اور یہ بات
کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب
ایک ہی سرچشمے یعنی ذہن انسانی کے بچے
ہیں اور ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے سے
الگ تھلگ نہیں رہ سکتے۔

اس نکتہ اور یکسوئی کی اہم
کڑی وہ علمی مرکزیت ہے جو اس وقت
دکن کو حاصل ہو رہی ہے اگر اس علمی
مرکزیت کا صحیح وسعت اور وہ
عالمگیر اسپرٹ پیدا کی جائے جو احیاء
علوم کا اصل منشا رہا ہے تو بہت جلد ہم
ایک نئے دور کا آغاز کر سکتے ہیں علاوہ
اس علمی پہلو کے دکن کی موجودہ معاشرت
وتہذیب بھی "شاید موسم" کا پتہ
دے رہی ہے۔ میں اس سے پہلے عرض کر چکا
ہوں کہ دکن کے دور حاضرہ سے قبل
مغرب سے زیادہ مشرقی اثرات
چھائے ہوئے تھے اور دکن نے ان
اثرات کی نمایاں پرورش کی لیکن
اب مغربی اثرات بھی مشرقی
میں شیر و شکر ہو رہے ہیں اور ایک نیا
نظام معاشرت تیار ہو رہا ہے جس کے
متعلق یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ بالآخر
کیا صورت اختیار کرے گا

دکن اب بہ حیثیت مجموعی
تین زبردست تحریکات کا سنگم ہے
مغربی۔ عربی۔ اور آریائی نئے سائنس
کے اثرات یہاں موجود ہیں۔
ان تینوں تحریکوں کا جو حشر ہوا
ان سے ہمیں بے خبر نہیں رہنا چاہئے
مغربی نشاۃ ثانیہ انسانی دماغ کو
آزاد کرنے کیلئے آیا تھا۔ لیکن ہم
دیکھتے ہیں کہ یہ آزادی رفتہ
رفتہ صرف مغرب ہی تک محدود
ہو جاتی ہے اور پا آخر
"قومیت" کی چار دیواری

میں محصور ہو جاتی ہے قومیت کے زبردست
احساس اور فروغ نے خود اہل مغرب کو
ایک دوسرے سے بیگانہ بنا دیا اور ذہنی
آزادی کا جو اصل مقصد تھا وہ نظروں سے
اوجھل ہو گیا ۔ یہی نہیں بلکہ جب یورپین
قومیت غیر ممالک میں قدم رکھتی تو غیر
اقوام کے دل و دماغ کو اپنے قبضہ میں
لینے کی کوشش کرتی ہے ۔ تقریباً
ڈیڑھ سو سال سے ہندوستان اسی کا
تختہ مشق بنا ہوا ہے جس کے نتائج ہم

اپنی تعلیمی زندگی میں خصوصیت کے ساتھ
دیکھ رہے ہیں
عربی نشاۃ ثانیہ عالمگیر اتحاد کا پیام
لیکر آیا تھا لیکن وہ بھی فرقہ بندی کی زد
سے نہیں بچ سکا ۔ اسی طرح آریائی
تحریک کی اصلی شان ذات پات کے
جھگڑوں میں گم ہو گئی اب یہ تینوں بیداری
کی تحریکیں اپنی حقیقی صورت میں بہ مشکل نظر
آسکتی ہیں ۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں
دکن میں ان تینوں کے آثار

موجود ہیں ان کے قالب ہمکنٹے قالب میں ڈھالے
جا سکتے ہیں انکی حقیقی اسپرٹ سے ایک نئی تحریک
کی تعمیر کیجا سکتی ہے جو انسان میں وسعت نظر اور
عالمگیریت کے جوہر پیدا کر سکے گی اور جس کو ہر قوم
و ملت کا آدمی بے اختیار خاص اپنی چیز سمجھنے لگے ۔
اس بارے میں ہمارا پہلا قدم ایک حد تک پیدا ہو
مادی اور ذہنی ترقی کے تخم بوئے جا چکے ہیں سوچنے
والے دماغ اگر رہنمائی کریں اور حکمتہ خطرات سے
محفوظ رکھا جائے تو توقع ہے کہ یہاں سے اس نشاۃ
ثانیہ کا طلوع ہو سکیگی ہمیں آرزو ہے ۔

کہ بن کے فخر سلاطین یہ تاجدار آیا

از جناب محمد عظمت اللہ خاں صاحب

خوشا نصیب کہ پھر موسم بہار آیا
وہ شام عیش کی وہ روز وصل یار آیا

دعائیں دینے کو اٹھویں شہ کی سالگرہ
ہر ایک گھر پہ دل شادماں پکار آیا

بہار آئی ہے ساقی کی نذر کو زاہد
کہ توڑ کے توبہ لے کے بادہ خوار آیا

نگاہ لطف کا نشہ کی سرور کیا کہئے
یہ جب پہ پڑ گئی اوسکو وہیں خمار آیا

خدا دراز کرے عمر شاہ عثماں کی
کہ بن کے فخر سلاطین یہ تاجدار آیا

اٹھے جو ہاتھ اجابت کو کچھ نہ دیر لگی
دعا ادہر کی ادہر فضل کردگار آیا

فدا ہیں ایک نہیں جشن شاہ پہ سرمد
نثار ہونے کو ہر ایک جاں نثار آیا

بقیہ مضمون صفحہ (۸۰)

دلیل زائد مقدمات کی تعداد میں دائر ہوتا ہے کیونکہ اگر رعایا کو عدالتوں پر بھروسہ نہ ہو تو ادھر کا رخ بھی نہ کریں عدالتوں کے لحاظ سے اہل ملک کے نمائندے وکیل پیشہ اصحاب ہیں انہوں نے حال میں کہیں یہ سن پایا تھا کہ عہدہ داران مال کو پھر حسب سابق عدالتی اختیارات عطا کرنے کی تجویز ہو رہی ہے اسپر کانفرنس وکلاء منعقدہ بہ مقام گلبرگہ شریف خورداد ۱۳۳۲ف میں منعقد ہوئی تھی بڑی شد و مد کے ساتھ یہ تحریک پاس ہوئی کہ چونکہ اس انتظام موجودہ میں نہایت سہولت و اطمینان ہے اور ملک اس کام سے ہر طرح مطمئن ہے اس میں کوئی رد و بدل نہ فرمایا جائے اسی طرح تعلقہ قندھار داودگیر وغیرہ مقامات کے وکلاء نے بھی کمیٹیاں کر کرکے تجویز پیش کیں کہ موجودہ انتظام نہایت اطمینان بخش ہے اس کو نافذ شدہ کو برقرار رکھا جائے نیز بعض جگہ کی رعایا کی طرف سے بھی اس کے متعلق محضر پیش ہوئے۔

کثرت مقدمات کی نسبت اس جگہ ایک لطیفہ نقل کر دینا غالباً لطف سے خالی نہ ہوگا میں نے اگلے وقتوں کے بعض بڑے بوڑھوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جتنے جتنے شفاخانے قائم ہوتے جاتے ہیں ملک میں بیماریاں بڑھتی جاتی ہیں اور جس قدر عدالتیں زائد ہوتی جا رہی ہیں لڑائی جھگڑے بڑھتے جاتے ہیں گویا بیماریوں کے پھیلانے والے ڈاکٹر ہیں اور فساد کی جڑ عدالتیں مگر حقیقت یہ ہے کہ جہاں شفاخانے نہیں ہوتے وہاں خبر بھی نہیں ہوتی کہ کیا کیا بیماریاں اہل ملک کو پریشان کر رہی ہیں کتنے بیمار پڑے ایڑیاں رگڑ رہے ہیں اور کتنے بن آئی مر گئے اسی طرح جہاں عدالت نہ ہو وہاں نہ مال محفوظ نہ جان محفوظ نہ آبرو محفوظ کوئی کسی کی فریاد کو نہیں پہونچ سکتا چور ڈاکو قاتل اکڑتے پھرتے ہیں اور مظلوم آٹھ آٹھ آنسو روتے ہیں اب میں اپنے سلسلہ بیان کو پھر شروع کرتا ہوں :-

حضرت اقدس و اعلی کی اس اصلاح عظیم کو دیکھکر بڑے بڑے مہذب ممالک دنگ رہ گئے اور بعض نے حضور بندگان عالی کی تقلید میں اسی راستہ پر قدم اٹھایا۔

ہمارے بادشاہ عدل پرور کو عدالتوں کی عزت و شان میں بھی اضافہ کا ہمیشہ خیال رہا ہے چنانچہ اختیار انصاف کے ساتھ ساتھ یہاں عدالتوں کے انتظام میں بھی ترقی ہو رہی ہے اور عدالتوں کی رفعت و مرتبہ کے اعتبار سے مکانات تعمیر ہوتے جا رہے ہیں عثمانیہ عدالت عالیہ یعنے حیدرآباد ہائی کورٹ کی رفیع الشان عمارت جو بیس لاکھ روپیہ میں تیار ہوئی ہے۔ اپنی نظیر آپ ہے ہندوستان کے دوسرے ہائی کورٹ کی عمارتیں اس کا مقابلہ نہیں کر سکتیں ۱۳۳۵ف میں حضرت اقدس اعلی نے بہ نفس نفیس اپنے دست مبارک سے اس کا افتتاح فرمایا تھا اس جانثار نے اس موقع پر اہل ملک کے جذبات مسرت کی ترجمانی ایک قصیدہ میں کی تھی۔

حضور اقدس نے ہائی کورٹ و ججان ہائیکورٹ کی عزت افزائی کیلئے عدالت عالیہ کو منشور خسروی بھی مرحمت فرمایا ہے یہ وہ فرمان شاہی ہوتا ہے جو متمدن ممالک میں بادشاہ وقت کی طرف سے ہائی کورٹ کے ججوں کو عنایت فرمایا جاتا ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے گویا اختیارات شاہی ججوں کے سپرد فرما دئے جاتے ہیں۔

اس منشور مبارک نے عدالت کی عزت و وقعت میں اور چار چاند لگا دئے۔ حضرت بندگان عالی کے عہد معدلت مہد میں قانون خفیفہ بھی نافذ ہوا جس کی رو سے متعدد ناظمان و منصفین کو اختیارات خفیفہ دئے گئے اور اس سے زائد کے معمولی مقدمات کے بعجلت تصفیہ پانے کی صورت پیدا ہو گئی۔

دیسی ریاستوں کے عہدہ داران عدالت میں لیاقت علمی و دیانت کی کمی دیکھی جاتی ہے مگر یہاں وہ حالت نہیں ہے ولایت کے پاس شدہ بیرسٹر مختلف یونیورسٹیوں اور عثمانیہ یونیورسٹی کے ایل ایل بی اور سول سرویس کامیاب اشخاص بہ تعداد کثیر جوڈیشل خدمات پر مامور کئے گئے ہیں اور ان کی دیانت کو تقویت دینے کیلئے ان کی تنخواہوں میں معقول اضافے فرمائے گئے ہیں۔ مثلاً منصف جو پہلے ڈیڑھ سو دو سو پاتے تھے اب چار سو روپیہ ماہانہ پا رہے ہیں حضرت اقدس و اعلی کی عدل گستری و انصاف پسندی کی صراحت کے لئے ایک مستقل جداگانہ تصنیف کی ضرورت ہے اسلئے اب میں یہ مضمون کو یہ لکھکر ختم کر دیتا ہوں کہ :-

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لئے

از دربار شہنشاہی پہلوی ایران طہران

از جناب میر محمود علی صاحب ایم اے لکچرار سٹی کالج

دکن کی سرزمین کی سنگتراشی کے بعض قدیم نمونے غار ہائے ایلورہ اور اجنٹہ کے نام سے آجتک عجائبات روزگار بنے ہوئے ہوں۔ تو اس سے خود اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ زمانہ ماضی میں وہاں صنعت و حرفت کی ترقی کا کیا حال ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ زمانہ قدیم سے سلطنت مغلیہ کے زوال تک ممالک ایشیا، افریقہ اور یورپ میں ہندوستانی اشیا کو جو خراج تحسین ملتا رہا دکن اس میں برابر کا شریک تھا۔ مصنوعات دکن کی قدر و منزلت اس وقت ایسی ہی تھی جیسے اس وقت ولایتی مال کی ہوتی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ سترھویں صدی میں ٹاورنیر نامی ایک فرانسیسی سیاح نے محض گولکنڈہ کے ہیروں کی خریداری کو پانچ چھ مرتبہ ہندوستان کا سفر اختیار کیا تھا۔

ہیرے اور جواہرات نہیں بلکہ دکن میں لوہے سے لے کر سونے تک اور رنگ سلو سے لیکر سنگ مرمر اور ابرک تک ہر قسم کی معدنیات کے خزانے بھرے ہیں۔ جو کوئی جس قدر جستجو کرے گا۔ وہ اسی قدر اپنی محنت کا پھل پائے گا۔

چنانچہ سر سالار جنگ اعظم کے عہد وزارت یعنی ۱۸۷۵ء میں بمقام سنگارینی جو کوئلہ کی کانیں دریافت ہوئی تھیں ان سے آجتک پورے جنوبی ہند کے لئے کوئلہ کی رسد مہیا ہوتی ہے

جس طرح ملک دکن معدنیاتی خزانوں سے مالا مال ہے اسی طرح حیوانی اور جنگلاتی پیداوار کی کوئی کمی نہیں اس وقت بھی زراعت کے اعتبار سے اور خاص کر روغنی تخم اور روئی کی کاشت کی بنا پر دکن کا شمار دنیا کے عظیم الشان زراعتی اور پیداوار ملکوں میں ہوتا ہے۔

لیکن اس کے یہ معنی قرار دینا کہ دکن صرف زراعتی ملک ہے۔ بہت بڑی غلطی ہے گو اس وقت بھی پچاس فی صد سے زیادہ باشندگان ملک کا پیشہ زراعت ہی ہے لیکن دکن ہمیشہ سے زراعتی ملک بھی رہا ہے اور صنعتی بھی آج تک ہمارے اضلاع اور دیہات میں قدیم اور مقررہ دستکاریوں کے علاوہ مخصوص مقامی دستکاریاں ہر طرح زندہ ہیں۔ مثلاً اورنگ آباد کے کمخواب اور ہمرو۔ نارائن پیٹھ اور سنگاریڈی کی سوتی اور ریشمی ساڑیاں، محبوب نگر اور سلع پیٹھ کے کمبل اور بیدر کی بدری صنعت سے کون واقف نہیں گو یہ صحیح ہے کہ رفتار زمانہ کے مطابق یہاں بھی کلکاری کے مقابلہ میں دستکاری کو جگہ خالی کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن برطانوی ہند میں صنعت کی تباہی کی جو درد بھری داستان ہم کو سنائی جاتی ہے اس سے دکن بہت بڑی حد تک محفوظ رہا ہے۔

باوجود اس کے دکن کا وسیع رقبہ اور آبادی اور ہر قسم کی پیداوار کی فراوانی دیکھ کر جب یہاں کی اشیاء کی برآمد و درآمد کا موازنہ کیا جائے۔ تو اس بات پر سخت افسوس ہوتا ہے کہ بہ حیثیت خام پیداوار یہاں سے باہر جاتی ہے اگر اس کے لئے مختلف صنعتیں بڑے پیمانہ پر ملک میں جاری کر دی جائیں تو ملک کی دولت میں کس قدر اضافہ ہو سکتا ہے۔ اور کتنے آدمی کام پر لگ سکتے ہیں صرف روئی ہی کی تجارت کو لیجئے تو تقریباً سات کروڑ روپیہ کی روئی ہر سال باہر بھیجی جاتی ہے گو اس وقت روئی صاف کرنے اور اس کو دبانے

پھل پھوڑنے اور تیل نکالنے اور آٹا پیسنے کی بہت سی گرنیاں اور شہر میں ہر جگہ حتی کہ بعض دیہات میں بھی قائم ہو چکی ہیں علاوہ ازیں پارچہ بافی کے چار پانچ بڑے کارخانے بھی موجود ہیں اور متفرق بھی دو چار کارخانے ہیں جن میں سمینٹ کمپنی سب سے زیادہ منافع حاصل کر رہی ہے۔ لیکن یہ موجودہ صورت حال ناکافی ہے۔

خصوصاً جب ہم دیکھتے ہیں کہ اس مبارک دور عثمانی میں ایک طرف تو ملک میں سڑکوں اور ریلوں کا جال بچھایا جا کر ذرایع آمد و رفت میں غیر معمولی ترقی ہو رہی ہے۔ خود دارالسلطنت حیدرآباد میں تو آج کل ایسا معلوم ہو رہا ہے کہ ایک نیا شہر بسایا جا رہا ہے۔ دوسری طرف مادری زبان کو اعلیٰ تعلیم کا ذریعہ قرار دیکر جامعہ عثمانیہ سے علم کے دریا بہائے جا رہے ہیں۔ تو ضرورت اس امر کی بھی ہے کہ ملک سے نہ صرف افلاس اور بے روزگاری کو مٹایا جائے گا بلکہ باشندگان ملک کی خوشحالی اور فارغ البالی کو بڑھانے کے ذرایع پیدا کئے جائیں گے

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ حیدرآباد کی ترقی کا راز ملازمت میں نہیں بلکہ زراعت اور صنعت و حرفت کی ترقی میں مضمر ہے۔

آج سے دس سال قبل صنعتی کمیشن ہند نے جو رپورٹ شایع کی ہے اس کا مطالعہ بہر صورت محب وطن کے لئے نہایت ضروری ہے۔ منجملہ دیگر تجاویز کے سب سے اہم تجویز یہ رہی ہے کہ حکومت ملک کی صنعت و حرفت کی سرپرستی کو اپنا فریضہ سمجھے چنانچہ ہمارے یہاں سرکار عالی کی طرف سے نہ صرف ایک محکمہ صنعت و حرفت قایم ہے اور وہ اپنا کام بخوبی انجام دے رہا ہے بلکہ یہ کہا جاتا ہے کہ صنعت و حرفت کی آیندہ ترقی کے لئے سرکار عالی نے ایک کروڑ کی رقم منظور فرمائی ہے۔

لہذا ایک طرف سرکار عالی کی توجہ اور سرپرستی اور دوسری جانب اہل ملک کی پیش قدمی اور دلچسپی پر کہ جس میں صنعت و حرفت کا مستقبل نہایت درخشاں ہو سکتا ہے خصوصاً جب کہ ہمارے پاس سارے عالمین پیدائش زمین محنت اور اصل موجود ہیں اب تو سوال صرف تنظیم کا رہ جاتا ہے اور اسی تنظیم کی خوبی پر مستقبل کی کامیابی کا دارومدار ہے۔

صنعت و حرفت کی ترقی میں باشندگان ملک کا عملاً کوئی حصہ نہ لیکر سارا بوجھ صرف محکمہ پر ڈالدینا کسی طرح مناسب نہ ہوگا اس سلسلہ میں محکمہ موجودہ طریقوں کے سوا اردو اور دیگر ملکی زبانوں میں ماہواری رسالے اور رسالنامے دو ڈائرکٹری شایع کرکے اور دیگر ذرایع سے کام لیکر ملک کو وقتاً فوقتاً تجارتی اور حرفتی حالات اور جدید انکشافات اور تجربات سے آگاہ کرتا رہے اور ساتھ ہی ایک صنعتی بنک قائم کرکے یا کسی اور بہتر طریقہ پر آسان شرائط کے ساتھ قرضہ دیکر ملک کی صنعتوں کی سرپرستی کرے تو کامیابی کی بہت کچھ توقع ہو سکتی ہے۔ مزید براں دیگر محکموں بالخصوص جماعت ہائے امداد باہمی کی امداد اور ضلع اور تعلقہ کی مجالس و کلفنڈ کی اعانت بھی اس معاملہ میں ہو تو نہ صرف کاریگروں اور دستکاروں کی ذہنی، اخلاقی، جسمانی اور مالی حالت بہتر ہو سکے گی بلکہ بہت سی گھریلو صنعتوں کی ترویج اور احیاء اور بیشتر مصنوعات ملکی کی نکاسی کے ذرایع خود بخود نکل آئینگے خواہ وہ کسی مقامی جاترا یا عرس کے زمانہ میں ہو یا کسی خاص نمایش کے سلسلے میں

(اگر محکمہ اس کو مداخلت نہ سمجھے) تو کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ سرکاری ماہرین فن کی تحقیقات کے علاوہ بعض ایسے سرکاری و غیر سرکاری اراکین کی مختصر سی کمیٹی بنائی جائے جن کو اپنے طور پر ملک کے مقامی اور صلعی حالات کا علم اور دلچسپی بھی ہو؟ اور یہ کمیٹی دورہ کرکے جلد تر اپنی رپورٹ پیش کرے اس رپورٹ اور ماہرین فن کی رپورٹ پر غور بر مناسب طور پر کرنیکے بعد ایسے ذرایع اختیار کئے جائیں جس میں ملک کی زیادہ بہتری ہو۔ یا کم از کم ایسے اشخاص کو بطور خود ملک کی صنعت و حرفت کے متعلق کوئی تجاویز پیش کرنا چاہیں۔ اس کا موقع دیا جائے۔ اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جو کام سررشتہ کرنا چاہتا ہے اس کے علاوہ بعض ایسی صنعتیں جو اس وقت دم توڑ رہی ہیں۔ حکومت کی سرپرستی سے ان میں جان پڑ جائے گی اور بعض ایسی صنعتوں کے حالات روشنی میں آسکیں گے۔ جو ذرا سی ترمیم کے بعد نہایت کامیابی سے چل سکیں گی ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں بعض بالکل جدید مقامی صنعتوں کے امکان کا انکشاف بھی ہو۔ غرض سررشتہ جس قدر بھی فراخدلی اور کارروائی سے کام لے اچھا ہے۔ ساتھ ہی ابنائے ملک اور خصوصاً وہ حضرات جن کو ملک کے حالات سے واقفیت ہو وہ اپنے معلومات کی بناء پر جو بھی مفید تجاویز پیش کر سکیں مناسب ہے۔ اب یہ سررشتہ کی سرپرستی صحافت کی رہبری تعلیم یافتہ اور ذی اثر اصحاب کی کوشش پر منحصر ہے کہ وہ پبلک کی ذہنیت کو بدل دیں اور اسی کوشش میں کامیابی پر نہ صرف ہمارے خاندار صنعتی مستقبل کا دارومدار ہے۔

حیدر آباد
کی پبلک کو معلوم ہے کہ ہم نے کرسٹی ٹوپیاں (مختلف اقسام کی) ولایتی۔ بوٹ۔ شوز۔ پمپ شوز۔ زنانی و
مردانی (باٹا) ہیلن۔ ڈاسن۔ ٹپ ٹاپ مین فوٹ ویر۔ ربیہ برانڈ۔ اسمارٹ فوٹ ویر۔) و دیسی (فلکس۔ پی۔ یم
گڈلک۔ برنس۔ تھری سامان برانڈ۔ ولٹونیا۔ گڈلائٹ۔ گولڈلک۔) ہمہ اقسام کے اونی سوٹر و سوٹر کوٹ ریل اور
بلانکٹ۔ ایران کے بہترین کیاب قالین۔ نئی وضع کی ریشمی و سوتی دستیاں۔ پائدار خوشنما ریشمی و سوتی پائتابہ۔ چرمی
کے سینٹ۔ شیروانی کیلئے مختلف رنگ کی گنڈیاں۔ صابون وغیرہ کا بہترین اسٹاک انگلستان و دیگر ممالک سے کثیر مقدار
میں منگوایا ہے۔ ہمارا یہ توقع رکھنا کہ آپ تشریف لاکر ہماری حوصلہ افزائی فرمائینگے۔ ہرگز بیجا نہیں ہے
اضلاع کیلئے فرمایشات کی تعمیل نہایت دیکھ بھال کیساتھ جلد از جلد کیجاتی ہے۔
عظم محمد معین الدین۔ ٹرکش کیاپ ٹ شوز اینڈ جنرل مرچنٹ سالار جنگ بلڈنگ حیدرآباد
اشتہار
ایس محمد علی اینڈ سنس ۱۱۱ اکسفورڈ اسٹریٹ سکندرآباد
سب سے بڑا فرنیچر کا کارخانہ جو قدیم ہونے کے علاوہ کفایت خوبصورتی
اور پائیداری میں سارے مقامی فرنیچر ہوزوں سے بڑھ چڑھ کر ہے
کیونکہ
آپ کو کفایت شعاری کے ساتھ جدید وضع وقطع کا سربہ
عمدہ خوبصورت اسباب خانہ داری کہیں ملسکتا ہے تو
ایس محمد علی اینڈ سنس سکندرآباد
ہی کے ہاں سے ملیگا۔ فرنیچر۔ کراکری۔ کٹلری وغیرہ وغیرہ جملہ ضروریات
آرایش بنگلہ شادی ضیافت اور عصرانہ کی دعوتوں کا سامان
بکفایت کرایہ پر ملتا ہے اور فروخت بھی کیا جاتا ہے
ایک وقت تشریف لاکر اس کا اندازہ فرمائیے
قایم کردہ ۱۸۹۹ء
بسنت جینتی ہیر آئل
امتحان کردہ محکمہ دار التجربہ سرکار عالی
مقوی دماغ، مقوی بصارت، بہترین خوشبودار، بال بڑھانے میں لاثانی ہم اسی
قابل قدر ایجاد کی اشتہاری تعریف کرنا نہیں چاہتے صرف ایک مرتبہ کی آزمایش
کے مستدعی ہیں آپ خود اسکی خوبیاں ظاہر ہوجائیں گی البتہ یہ عرض کرنا بیجا نہ ہوگا
کہ فواید و خوشبو کے لحاظ سے کوئی تیل اسکا مقابلہ نہیں کرسکتا قیمت فی
شیشی ایک روپیہ ہر دکان سے دستیاب ہوسکتی ہے اضلاع
کے لئے بیوپاریوں سے نرخ میں خاص رعایت کیجائے گی۔
سول ڈسٹری بیوٹر
جی رو ہست برادرس عیسیٰ میاں بازار حیدرآباد

ایک دلچسپ حکایت
(یوں تو)
مملکت دکن میں سینماؤں کی رفتار ترقی پر ہے اور دن بدن اسمیں اضافہ ہوتا جاتا ہے مگر پبلک کی دلچسپی اور آسائش کیلئے
جن لوازمات کا ہونا ضروری ہے اس کا بہت کم انتظام ہے۔ صرف دو چار ہی سینما آپ کو ایسے نظر آئیں گے جو حقیقی معنوں میں سینما
کہلائے جاسکتے ہیں ورنہ پبلک کو عام طور پر شکایت رہی ہے کہ نہ تو ڈرامے ان کی دلچسپی کی مناسبت سے دکھلائے جاتے ہیں
اور نہ انتظامات ہی کچھ ایسے ہیں جو ان کی توجہ کو جذب کرلیں۔
چنانچہ کرشنا آپراہوز کا قیام اسی مقصد کے تحت عمل میں آیا ہے۔
سینما ہال نہایت خوشنما۔ خوبصورت۔ ہوادار۔ آرام دہ کرسیاں اور صوفے اور دیگر انتظامات بالکل باسلیقہ غرض یہ سینما اپنی
نفاست اور خوبصورتی کے اعتبار سے بہت جاذب توجہ اور فرحت بخش ہے اور اس میں اب تک جتنے بھی ڈرامے دکھلائے گئے ہیں
مشہور و معروف فلم کمپنیوں کے نتیجہ خیز سبق آموز۔ اور بے نظیر ڈرامے جس کا پبلک کو خود اعتراف ہے اور آئندہ بھی ہم بہتر سے بہترین ڈرامے بلکہ مشہور و معروف
فلم کمپنیوں کے شاہکار ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے رہیں گے۔ امید ہے کہ پبلک اسطرح ہماری حوصلہ افزائی فرماتے رہے گی
المشتہر: منیجر کرشنا آپراہوز گلزار حوض حیدرآباد دکن
گلوب شربو و کلا تصرف
اس ہوٹل میں ضروریات چارخانہ کے علاوہ ہر قسم کے عمدہ کھانے
و سالن ہر وقت تیار ملتے ہیں خاص بات یہ ہے کہ صرف ذاتی منفعت
ہی ہمارا مقصد نہیں بلکہ خلق اللہ کی آسائش اور نفع ہمارے پیش نظر
رہتا ہے اسی مناسبت سے ہم ہر چیز بہتر بالکل واجبی داموں پر سپلائی
کئے جاتے ہیں صفائی و نفاست کا خاص طور سے لحاظ رکھا جاتا ہے اسکے
علاوہ روزانہ صبح میں نہاری کا انتظام بھی ہے اور ہر یکشنبہ کے
روز صبح میں مرغ کی نہاری خاص اہتمام سے تیار کی جاتی ہے۔
ماہواری خوراک کا بھی فرمائش پر انتظام کیا جاسکتا ہے
المشتہر: منیجر نفیس ہوٹل اسٹیشن روڈ نامپلی حیدرآباد دکن
نیم کا صابن
بحیثیت دافع جراثیم یہ کاربالک اور دیگر دواؤں سے مرکب
صابونوں سے اپنی بہترین خاصیت کا دعویٰ کرتا ہے جسم
یا جلد پر کوئی رگڑ خراش پیدا نہیں کرتا جلدی امراض
مثلاً گرمی دانے یا سرخ باد۔ بھنسیاں۔ خارش تر یا خشک
گندے زخم اس سے دھونے جاکر آرام رہتا ہے بوجہ نفیس
خوشبو ہونے کے عام استعمال میں لایا جاسکتا ہے نسخہ جات
اطباء و ڈاکٹر کے ساتھ تیار کئے جاتے ہیں اور ہمہ قسم کے ہندوستانی
ادویات۔ سامان وغیرہ کی مہیا رہتا ہے اور اضلاع پر بھی
وی پی سے بھیجا جاتا ہے قیمت فی ٹکیہ ۹
پتہ
شبیر میڈیکل ہال افضل گنج حیدرآباد دکن

دہوکہ باز عطر فروشوں سے بچئے

جو شخص شہر میں یا اضلاع میں ہمارے کارخانہ کا ایجنٹ ہونا ظاہر کرکے عطر وغیرہ فروخت کرتے ہیں یا آرڈر لیتے ہیں

واضح رہے کہ ہمارا کوئی ایجنٹ ہندوستان یا ممالک محروسہ سرکار عالی میں نہیں ہے ہمارے کارخانہ کی ایک شاخ

چاندنی چوک دہلی۔ گلزار حوض حیدرآباد دکن

میں موجود ہے جہاں جملہ اقسام کے عطریات۔ روغنیات۔ زردہ وغیرہ لکھنؤ کے مقررہ نرخ پر ملتے ہیں۔

جملہ خط و کتابت صرف

اصغر علی محمد علی تاجر عطر لکھنؤ کے نام

ہونا چاہئے اگر کسی دوسرے نام سے خط روانہ کیجئے گا تو کارخانہ ذمہ دار نہ ہوگا فہرست مفت طلب کیجئے۔

اعلیحضرت قدر قدرت بندگانعالی متعالی مدظلہ العالی

واقعہ ۱۲ امرداد ۱۳۳۸ ف

صداقت نامہ مجریہ صدر محکمہ کوتوالی بلدہ نظام الملک آصفجاہ

تصدیق کیجاتی ہے کہ حاجی طیب علی گتہ دار روشنی بوقت مراجعت فرمائی سواری مبارک خداوندی از سفر دہلی صاحب موصوف نے روشنی کا جس طرح خوش اسلوبی سے انتظام کیا وہ لائق تحسین ثابت ہوا۔ اس لئے یہ صلہ کارگزاری یہ سرٹیفکیٹ دیا جاتا ہے

دستخط کوتوال بلدہ۔

العظمت اللہ

Hyderabad Dn

January 922

H. R. H

The Prince of Wales

سند

معطیہ حاجی طیب علی صاحب گتہ دار روشنی چارکمان حیدرآباد دکن

جنوری سنہ ۱۹۲۲ء مطابق سفندار سنہ ۱۳۳۱ ف میں ہز رائل ہائنس پرنس آف ویلز کی تشریف آوری حیدرآباد فرخندہ بنیاد کے موقع پر آپ نے جو قابل قدر خدمات انجام دئے اسکے متعلق منجانب سرکار عالی اظہار خوشنودی کیا جاتا ہے۔ اور بہ صلہ حسن کارگزاری یہ سند بہ متابعت حکم جہاں پناہی آپ کو عطا کی جاتی ہے۔

دستخط صدر نشین استقبال کمیٹی

دستخط صدر اعظم بہادر

Office of Supdt
of P. W. D
Residency

Dated 2nd April

Certified that messers Hajee Tayeb ali and Sons have undertaken the work of illuminating the Hyderabad residency on the occasion of H. E. the Viceroy's visit. They have carried out the work satisfactorily

Superintending
P. W. D Hyderabad
residency

نہایت خوشنما اور دلفریب منظر

صرف ویکاجی ہوٹل کا ہے جو وسط شہر کی بلند اور عالیشان عمارت میں واقع ہے ہندوستانی انگریزی
اور خصوصاً اٹالین، خوش ذائقہ اور لذیذ کھانے مٹھائیاں ہر وقت تیار رہتے ہیں. قیام کا اتنا معقول انتظام ہے کہ آپ کو
گھر سے زیادہ آرام ملیگا. نہایت آراستہ اور وسیع کمرے. برقی روشنی. پنکھے. نل اور سواری کی سہولت موجود ہے
پیسٹری. کیک. کری پف. انواع و اقسام کے بسکٹ. روٹی بن وغیرہ ہمیشہ تیار ملتے ہیں. چاء. کافی کوکو. ایسکریم
دیگر مشروبات بھی ہر وقت ملتے ہیں.

ڈزائیٹ ہوم کی کیٹرنگ و دیگر فرمائشات کی تعمیل حسب دلخواہ فی الفور کیجاتی ہے جو بمقابلہ دیگران
نہایت نفیس ہے **الکٹرک فریجریٹر** جو برقی قوت سے چلتا ہے اس مشین کو ہم نے بصرف زر کثیر منگوایا
ہے اس میں ہر قسم کے اشیاء خورد و نوش ہر وقت نہایت ٹھنڈے اور تازہ رہتے ہیں. سوڈا
لیمونیڈ وغیرہ میں برف ڈالکر پینے سے اکثر گلوں میں درد پیدا ہوتا اور غدود پھول جاتے ہیں اس میں
یہ بات مطلق نہیں. خاصکر ایسکریم اس مشین میں اسقدر عمدہ اور لذیذ تیار ہوتی ہے جو کہ دوسری جگہ
آپ کو نہیں ملسکتی. پہلی دفعہ ہے اس ریسٹورنٹ میں اس مشین کو منگوایا گیا. ابتک کسی ریسٹورنٹ میں
اس کا انتظام نہ تھا. ہر چیز بہتر سے بہتر اور مناسب داموں پر آپ کو یہاں ملے گی.

پتہ آر ویکاجی اینڈ کمپنی متصل امپیریل پوسٹ آفس نمبر [illegible]

حیدرآباد دکن

تار کا پتہ (Vicaajee)

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس

عرصۂ دہر میں چلتی ہوئی تلوار تو بن

از مولوی شبیر حسن خاں صاحب جوش ملیح آبادی

اے دل! آزادیٔ کامل کا سزاوار تو بن
پہلے اس کاکل پیچاں کا گرفتار تو بن

یوں تو صبح رخ محبوب نہ ہوگی طالع
پہلے اے دیدۂ دل! دیدۂ بیدار تو بن

تجھکو خود ڈھونڈتی آئیگی نسیم صحت
پہلے اس نرگس بیمار کا بیمار تو بن

چشم بر راہ ہے شیرینیٔ صد آب حیات
تلخیاں جھیل کے شایان لب یار تو بن

اولیں شرط ہی ہر جنگ میں احساس خودی
فتح خود پاؤں پہ جھک جائیگی خوددار تو بن

یوں بھڑکنے سے رہا شعلۂ عزم منصور
پہلے پروانۂ شمع رسن و دار تو بن

دیگی اے پائے طلب! خود تجھے بوسہ منزل
پہلے دیوانۂ ہنگامۂ رفتار تو بن

بزم ہستی میں اگر تجھکو جلانا ہے چراغ
پہلے خود اپنی جگہ مطلع انوار تو بن

نبض ہر خس میں ہے دوڑا ہوا خون دل تاک
بندۂ ہوش و خرد! بیخود و سرشار تو بن

کتنے یوسف تجھے بکتے ہوئے آئینگے نظر
پہلے اے جان حزیں! مصر کا بازار تو بن

کیف سازمۂ خورشید بھی کچھ دور نہیں
محرم زمزمۂ ثابت و سیار تو بن

خود ہی چھٹ جائیگا گرد دل سے ترے ابر خمار
ہمنشین! خلوتی ساقیٔ سرشار تو بن

دوڑتی آئیگی خود سے ترے مجرے کو نسیم
داغہائے دل مجروح سے گلزار تو بن

آشیاں خود سے بنا دیگی مشیت تیرا
کھیل تو آگ سے، بجلی کا طلبگار تو بن

قبضۂ یار میں رہنے کو اگر ہے بے چین
عرصۂ دہر میں چلتی ہوئی تلوار تو بن

ابر درماں تری کھیتی پہ نہ برسے تو نہی
درد کی جنس کا اے جوش خریدار تو بن

وطن اور وطنیت

از

مولوی سید محمد حبیب اللہ حسینی صاحب

ناموس قدرت کا فیصلہ ہے کہ دنیا میں اوسی قوم کو حکومت و سیادت کی سند مل سکتی ہے جس کی قومی سیرت حب وطن کے جذبات سے متاثر ہے۔

تاریخ کے اوراق پارینہ کی ورق گردانی کرنے والوں کے لئے یہ ناقابل انکار حقیقت ہے کہ اقوام کا اقبال ہمیشہ حب وطن کے جذبات عالیہ کا رہین منت رہا ہے۔ اور ملل قدیمہ کے عروج و زوال کی تمام داستانیں فی الحقیقت حب وطن کے احساس۔ اور حب قومی کی سرگذشت ہیں۔

تماشاگاہ عالم میں کتنی ایک قومیں نیست سے ہست اور ہست سے نیست ہوگئیں، سلطنتیں عدم سے وجود میں آئیں اور پھر معدوم ہوگئیں۔ کتنے سلاطین نے دنیا کو زیر و زبر کر دیا۔ اور پھر پیوند خاک ہو گئے مگر ان کے کارنامۂ حیات یا تو کرم خوردہ اوراق میں سطور ہے یا تو زمین کے کہنہ برادوں میں پوشیدہ، اس سطح خاک پر بسنے والوں کو خبر تک نہیں کہ ان کے زیر قدم زمین کتنے ایک سرکش تاجداروں کا مدفن بن گئی ہے

البتہ تاریخ میں اوسی قوم کو بقائے دوام کی سند دیجاتی ہے جس کے کارنامہائے حیات ایثار و حب قومی کے سبق آموز حالات کے حامل ہیں۔

زمانہ کی سرد مہریوں کے باوجود وطن پر قربان ہونے والے اہل کمال تاریخ کی سبق آموز داستان کو جریدۂ عالم پر ثبت دوام کا طغرائے امتیاز حاصل ہے۔ اور وطن کی حفاظت میں اون کے مرمٹنے کی سرگذشت اون کے حیات جاوید کی ابدی سند ہے۔

اسی طرح حملہ آور لیف کے بے سر و سامان وطن پرست مجاہدین کی بے جاں بازیاں اور خدائی دعوے کرنے کا فراعین یورپ کے مقابلہ میں اونکی سبق آموز قربانیاں نہ صرف اہل بصیرت کے لئے عبرت آموز ہیں۔ بلکہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی شاہراہ ہدایت ہیں، گو زمانہ اون کے مدفنوں کو محو کرسکتا ہے خاک و خون میں تڑپتی ہوئی لاشوں کو برباد کرسکتا ہے۔ اون کی آبادیوں کو فنا کر سکتا ہے، مگر وطن کی حمایت میں اون کے سرفروشوں کی سرگذشت اس وقت تک زندہ اور سبق آموز رہے گی جب تک کہ آفتاب کی کرنیں سرزمین افریقیہ پر ضیا پاش رہینگی۔

ہم عموماً اپنی موجودہ اجتماعی ہیئت اور قومی ذہنیت کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کرلیتے ہیں کہ دکن والے ہمیشہ دوسروں کی پرستش کرنے اور اغیار کے غلام بنے رہنے کے لئے مخلوق ہوئے، ہمت و مستعدی سے جو زندہ اقوام کا طغرائے امتیاز ہے۔ ہم محروم ہیں وطن پرستی و قومی خودداری کے جو اقبال مند اقوام کے خصوصیات ہیں ہمارا دامن خالی ہے۔ گویا قدرت نے دوسروں کو لذائذ حیات سے متمتع ہونے اور ہمیں حسرت سے دیکھنا کے لئے پیدا کیا ہے جب ہم اپنی پچھلی سرگذشت دیکھتے ہیں تو ایک جداگانہ کیفیت نظر آتی ہے

دکن کی سرزمین عہد قدیم سے اولوالعزم اقوام و بلند حوصلہ تاجداروں کا گہوارہ رہ چکی ہے ہمارے وطن کی تاریخ نہ صرف اقوام کے حیات و ممات کی داستان عبرت ہے۔ بلکہ ہمارے لئے تازیانۂ بیداری بھی۔

جس طرح دکن کی قدیم سلطنتوں کی عظمت و شان اون کے کھنڈروں اور مرقدوں سے جو زبان حال سے اپنے بلند حوصلہ بانیوں پر نوحہ خوانی کرنے اور آنے والی نسلوں کی ہمت افزائی کرنے کے لئے باقی رہ گئی ہے۔ اسی طرح اون کے جانشینوں کی داستان ہمارے لئے سبق آموز ہے۔ کہ جب اون میں اون کے اسلاف کی خوبیاں نہ رہیں تو اون کا وہی انجام ہوا۔ جو ایک پست ہمت قوم کا ہونا چاہیے۔

حب وطن کے جذبات کے ساتھ اون کی عظمت و شہرت بھی شمالی حملہ آوروں کے قدموں پر سرنگوں ہوگئی۔

دور اسلامی کا پہلا فرمانروا، سلطان علاء الدین بہمنی ہے جس نے شہنشاہی لعنت کے مقابلہ میں استقلال دکن کا علم بلند کیا۔ گرچہ دور بہمنی خوشگوار خواب کی طرح بہت جلد ختم ہوگیا۔ اور ایک نگینہ کے پانچ ٹکڑے ہوگئے!

غیر دکنی ایرانیوں و ترکوں کی سازش نے اگرچہ اس دور کو ہمیشہ خانہ جنگیوں اور رنج و مصائب میں مبتلا رکھا لیکن ذہنی و قومی تعمیر اور علوم و فنون کی سرپرستی کے لحاظ سے تاریخ دکن کا یہ درخشاں دور رہا ہے۔

اس عہد کی عظیم الشان یادگاروں میں زبان کی ترقی اور اوس کا نشو و نما ہے، جو بعد میں

"اردو" کے نام سے تمام ہندوستان کی مشترکہ زبان بن گئی۔

سلاطین مغلیہ کی ملک گیری و جوع الارضی کا شاہان دکن نے جس بے جگری و استقلال سے مقابلہ کیا، اور اپنے وطن کی حفاظت و استقلال کے لئے جیسی عظیم الشان قربانیاں کیں۔ وہ ہمارے قومی و وطنی روایات کے عظیم الشان کارنامے ہیں۔

بیجاپور کی وطن پرست سلطانہ "چاند بی بی" کی سرفروشانہ مدافعت و جانبازانہ ہمت احمد نگر کے زندہ جاوید کارنامے ہمیشہ فرزندان دکن سے نہ صرف خراج تحسین کا بلکہ فدیہ و قربانی کا بھی طلبگار رہے گا۔

عہد مغلیہ میں دکن کا دور آخر کاروان رفتہ کا ایک نمونہ غبار ہے۔ وہی آسمان تھا جس کے نیچے عظیم الشان سلطنتوں نے نشوونما پائی وہی زمین تھی جس پر وطن پرستوں نے اپنے جاہ و جلال کا علم نصب کیا۔ زمین و آسمان میں کوئی تغیر نہیں ہوا تھا۔ مگر اس زمین پر بسنے والوں میں وہ حرارت نہیں تھی جو اون کے اسلاف کا حصہ تھا۔ وہ وطنیت و وطنی محبت نہیں تھی جسے ان کے آبا و اجداد کا خاصہ کہیے۔ دل مردہ ہو گئے تھے۔ اور ہمتیں پست مگر آثار بتلا رہے تھے کہ اس خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریاں موجود ہیں اگر قیادت و رہبری کے دامن سے ہوا دی جائے تو یہی دبی ہوئی چنگاریاں ہدایت نما شعلے بنکے بھڑک سکتی ہیں۔

عین اوس زمانہ میں جب کہ سلاطین گورگانی کا نیر اقبال افق مغرب پر پہونچ گیا تھا خلق اللہ کی جان و مال و حفظ ناموس کی ذمہ داری سے سلطنت مغلیہ سبکدوش ہو چکی تھی۔ دہلی کا تخت و تاج خود غرض امرا کے ہاتھ میں بساط شطرنج بنا ہوا تھا۔ تیموری اولاد سے حکومت و سلطنت کی اہلیت و صلاحیت سلب ہو چکی تھی۔ وہ ساعت پہونچ چکی تھی اور خدا کا وعدہ پورا ہوتا۔ کہ جب ظلم اور فسق و فجور انتہائے شباب پر پہونچ جاتا ہے تو ظالموں و فاسقوں سے حکومت و سیادت کی سند چھین لی جاتی ہے اور ان کے عوض بارگاہ خداوندی سے اون ہستیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے جو دنیا میں عدل و انصاف قائم کرنے والی ہوتی ہیں۔

کارکنان قضا و قدر نے بندگان خدا کی حفاظت و بقا کے لئے ایک ایسی ہستی کا انتخاب کیا۔ جو اس ذمہ داری کی اہل و موزون تھی۔ قدرت کو اس پر اطمینان تھا۔ اور اوس کو خدا پر بھروسہ تھا

اس پر آشوب زمانے میں جبکہ طمانیت مفقود تھی۔ تباہیاں و بربادیاں انتہا کو پہنچ چکی تھیں۔ یا فضا مظلوموں کی آہوں سے معمور تھی۔ زندگی و جمعیت کا شیرازہ منتشر ہو چکا تھا۔ ملک کو اس عالمگیر تباہی سے نکالنے کی تمام راہیں مسدود ہو چکی تھیں تو!

فخر ملت، حضرت آصفجاہ اول نے استقلال و خودمختاری دکن کا اعلان فرما دیا۔ اور یہ اعلان خودمختاری نہ صرف اہل دکن کے آزادی وطن کا عظیم الشان کارنامہ ہے بلکہ سرزمین دکن کے امن و سلامتی کے لئے بھی ناگزیر تھا۔ ورنہ سلاطین گورگانی کے ہاتھوں دکن کا بھی وہی حشر ہوتا جو سلطنت مغلیہ کے دوسرے صوبوں کا ہوا۔ اور دکن بھی ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارندوں کے ہاتھ فروخت ہو چکا ہوتا۔

اور یہ وطن اسلام کی آخری متاع و عزت صرف خانوادہ آصفیہ کے تدبر و جہانبانی کی رہین منت ہے اس احسان عظیم کے معاوضہ میں اہل دکن اپنا سب کچھ ان پر قربان کردیں تو بھی اون کے بار احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتے۔

دور آصفیہ کی تاریخ عہد للبقا کا عظیم الشان کارنامہ ہے جس زمانہ میں لکھنؤ اور دہلی کے شاہان [illegible] رنگ رلیوں میں مشغول تھے۔ فرزندان دکن وطن کی حمایت کے لئے میدان کارزار میں منہمک تھے لکھنو اور دہلی کے درباروں میں سے ارغوان کی نہریں بہتی تھیں تو دکن کی وادیاں فرزندان وطن کے خون سے سیراب ہو رہی تھیں

یا تو ہمارا وہ شاندار و درخشاں عہد تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے کارندے ہم سے رحم و امداد کے ملتجی تھے۔ اون کے نمایندہ دربار آصفی میں ایک ادنی چاکر کی حیثیت سے حاضر ہوتے تھے۔ اور دکن کا پورا رقبہ سلطنت آصفیہ کے زیرنگین تھا۔

یا تو ہماری یہ وطنیت ہے کہ تاج کے زیر سیادت ریاستوں کی فہرست میں ہمارا نام بھی شریک کر لیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ ہی ہم کو نہایت افسوس اور رنج سے اقرار کرنا پڑے گا۔ کہ اس ادبار و تخریب کے تنہا اغیار ہی ذمہ دار نہیں۔ بلکہ مادر وطن کے خون سے ہمارے ہاتھ بھی رنگین ہو چکے ہیں۔ اپنے سلاطین سے غداری کے ہم بھی مجرم رہ چکے ہیں۔ ایسی ذلت کے بعد بھی نہ ہم کو اپنے غلطیوں پر ندامت ہے اور نہ اپنی غفلت کا احساس بلکہ ہم اس پر بھی آمادہ ہیں۔ کہ اگر ہم کو ذاتی منفعت حاصل ہو تو

وطن کیا چیز ہے کعبہ کو بھی اغیار کے ہاتھ بیچ دین گے ۔

اقوام کی عظمت کا راز اون کے تاریخی روایات کو زندہ رکھنے میں اور ان کے وطنیت و حب وطن میں پوشیدہ ہے ہماری طرح اپنے اسلاف کی استخوان فروشی سے نہین بلکہ اون کے نقش قدم پر چلنے سے گمشدہ عظمت واپس آسکتی ہے ۔

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ کہنے کو تو ہم اپنے اسلاف کی اولاد ہین ۔ مگر یقیناً ہم اون کے جانشین نہین ہو سکتے ۔ ہمارے قلوب ہمن کی عظمت اور وطن کی محبت سے خالی ہین ۔

ہمارے آبا و اجداد کے مشاغل شہسواری و شمشیر زنی تھے ۔ مگر تینس و بلیرڈ مین نام پیدا کرنا اب ہمارے لئے موجب فخر و ناز ہے اون کے ہاتھ قبضہ شمشیر سے مانوس تھے ۔ تو ہمارے ہاتھ تاش کے پتوں کے گرویدہ ہین ۔ اون کی خودداری کو شاہان وقت کی عظمت بھی مغلوب نہین کر سکتی تھی ۔ مگر اب کسی صاحب بہادر کے ایک اشارہ ابرو پر سربسجود ہونے کے لئے ہم مستعد ہین ۔ اون کو دکھنی ہونے پر فخر و ناز تھا ۔ تو ہم کو دکھنی کہلانے سے عار ۔ اور مصنوعی یوریشین کہلانے پر ناز ہے ۔

ہماری قومی ترقی کا راز صرف اپنے خصائص قومی اور وطنی کو زندہ رکھنے مین پوشیدہ ہے ۔

ہم مسلمان ہوں یا ہندو ، برہمن ہوں یا راجپوت ، بربھا کے اوتار ہوں یا ڈرلوپڈرن وطنیت کے مضبوط زنجیر مین جکڑے ہوئے ہین ۔ دکھنی ہونے کے لحاظ سے سب ایک برادری میں شریک ہیں ۔ مذہبی و قومی اختلافات وطنی جذبات کو ضعیف نہیں دے سکتے ۔

صرف ہماری قومی روایات اور ہمارے وطنی خصائص اور آقائے ولی نعمت سے ہماری موروثی وفا شعارانہ جان نثاریاں ہمارے لئے شمع راہ آزادی ہو سکتے ہین ۔

مغرب کے تمدن و مغرب کے آئین حکومت کو رانہ تقلید ہماری قومیت کیلئے پیام موت ہے ۔

ہمارے زندگی کا مقصد قومی خودداری قومی وقار کا قیام ہو ہمارا مطمح نظر وطن پرستی ہونا چاہئے

زبان ز نکتہ فرو مند در ازتن باقیست
ضیاء سخن آخر شدہ کن باقیست

ہمایون روز مولود حضورست

(از مولوی محمد حبیب اللہ صاحب وفا منشی عامل مددگار سیشن فوقانیہ بیدر)

دکن امروز رشک کوہ طورست | زہر گوشہ تجلی خیز نورست
بیا بے جام مے ساقی بہ بہائے | ذر عشرت دو در سر درست
زغیرا تا فلک گلبانگ عشرت | زمین از آسمان سرخیل دورست
حجش را بادہ خانہ توان گفت | کہ مستانہ صداہائے طیورست
ہمہ دل ہا مردہ زندہ باستبند | صدائے پربرت نفخ صورست
ہزاران جشن جمشیدی نثارش | ہمایون روز مولود حضورست
درین جشن ولادت زمزمہ سنج | بگر مردان نر ہر دو فردوس حورست
ظہور شاہ عثمان در رجب شد | ازاں نظارۂ مصحف ضرورست
نوشتم مطلع در مدح سلطان | زمین شعر از تابش چو طورست
ملک مہ بارگاہ ایوان حضورست | فلک پابوس سلطان غیورست
تعالی اللہ دوران شاہ عثمان | سراسر رحمت رب غفورست
بصدق و عدل چون صدیق و فاروق | چو عثمان در حیا شاہ غیورست
بدست و بازویش ز ور ید اللہ | چو شمشیر علی تیغ حضورست
تفوق بر ہمہ شاہان جہان ست | کہ مصحف را با انجیل و زبورست
مسخر کرد ایران صیت شہرتش | چو خسرو در سخن شاہ غیورست
بعلم و فن دمیدہ جان تازہ | از و اعجاز عیسی در ظہورست
خوشا ذرریزی دست نوالش | نما بر قطرہ افشان در دفورست
بحال خستہ ام لطف شہی باد | ز دا ثروں طالعی جا جد فتورست
بقائے طول عمر شکل جاودان باد | دعایم در لیالی و سحورست
دوام تا مور د فتح شہ خدا باد | سراحد اکہ پامال غرورست

تعالی اللہ چہ سلک در نظم است
وفا این نذر مہ باد حضورست

ہماری تمنا یہ ہے
(کہ)
آپ ہمیشہ تندرست رہیں۔ اگر طبیعت خراب ہوجائے اور دوا کی سخت ضرورت ہو تو فوراً یہاں تشریف لائیے جہاں پر آپ کو ہر قسم کے پیٹنٹ ادویات آلات جراحی وغیرہ نہایت واجبی داموں میں دستیاب ہوسکتے ہیں ڈاکٹروں کے تجویز کردہ نسخہ جات تجربہ کار کمپونڈروں کے ذریعہ نہایت احتیاط کے ساتھ۔
(رات اور دن)
تیار کئے جاتے ہیں ہمارا عملہ جو اس فن میں کامل مہارت رکھتا ہے آپ کی خدمت کے لئے دن رات حاضر ہے آزمائیے اور تصدیق کیجئے۔ ہر قسم کے انگریزی عطریات وسنس وغیرہ کا بھی تازہ اسٹاک موجود ہے:۔
دواخانہ یونیورسل (فارمسی) واقع عابد شاپ حیدرآباد دکن

عہد عثمانی میں ترقی عدالت

از مولوی علی شبیر صاحب سررشتہ دار انتظامی عدالت العالیہ

اے کہ گفتی ایں و آں بہتر بہ عدل
شاہ ما ایں دارد آں نیز ہم

مملکت آصفیہ خدا اسکو حاسدوں کے نظر بد سے بچائے ہمیشہ اپنی بے تعصبی و داداری اور بے لاگ انصاف کی وجہ سے شہرۂ آفاق رہی ہے یہاں رنگ و قوم و مذہب کا کبھی سوال پیدا نہیں ہوا اب سے ایک صدی پیشتر بھی یہاں کے ہر فرمانروا کا عہد عدالتی نقطۂ نظر سے معدلت مہدی رہا ہے اور اس بارہ میں حیدرآباد کو جو امتیاز اس وقت حاصل تھا وہ ہندوستان کی بعض دیسی ریاستوں کو اسوقت بھی نصیب نہیں۔ ہمارے آقائے ولی نعمت اعلیحضرت آصفجاہ نظام الملک سلطان العلوم نواب میر عثمان علیخان بہادر ادام اللہ ملکہم نے جنکا مبارک زمانہ تاریخ آصفی میں سنہری حروف سے چلمکتا رہیگا تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد انتظام مملکت کے ہر شعبہ پر ناقدانہ دہم میعرانہ نظر ڈالی اور حکیمانہ اصول و مصلحانہ معیار پر تمام محکموں کو جہاں تک یہاں کے ملکی حالات اور مقامی روایات اجازت دیتی تھیں درجہ کمال کو پہنچا دیا صیغۂ عدالت پر جو قیام بقائے سلطنت کی حقیقی بنیاد ہے جب ہمارے عدل پرور و عدل گستر بادشاہ کی نظر کیمیا اثر پڑی تو اس میں وہ زبردست اصلاح فرمائی جو بہت سے متمدن و مہذب ممالک اب تک عمل میں نہ لاسکے وہ یہ کہ عدالتی اختیارات کو عاملانہ اختیارات سے علحدہ فرمایا سنہ ۱۳۳۰ف تک سلطنت آصفیہ میں بھی جیسا کہ عموماً دوسرے ملکوں میں ہے دیوانی و فوجداری اختیارات عہدہ داران عدالت کے علاوہ عہدہ داران مال بھی استعمال کیا کرتے تھے یعنے تمام تحصیلدار و مددگار تعلقدار فوجداری اختیارات عمل میں لاتے تھے اور بعض تحصیلداروں کو دیوانی اختیارات بھی حاصل تھے اول تعلقدار یہاں ناظم فوجداری ضلع یعنے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہوا کرتا تھا۔ علاقہ صرفخاص مبارک دیائیگاہ و جاگیرات سے قطع نظر کرکے صرف علاقہ سرکار عالی کے (۹۴) تعلقات میں باون (۵۲) ترپن (۵۳) تعلقات ایسے تھے جہاں عدالتی اختیارات رکھنے والے خاص عدالتی عہدہ دار یعنی منصف موجودہ نہ تھے اور صرف تحصیلدار ہی یہ اختیارات استعمال کیا کرتے تھے البتہ مستقر ضلع پر اور بعض تعلقوں میں عدالت و مال کے کسی عہدہ دار فصل خصومات کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جہاں متعدد اشخاص مقدمات فیصل کریں وہاں انصاف رسانی میں بڑی سہولت ہوتی ہوگی اور مقدمات کا انفصال جلد جلد ہوتا ہوگا مگر حقیقت ایسی نہیں ہے خالص عہدہ داران عدالت تو جن کی تعداد قبل اسکیم تفریق اختیارات علاقہ سرکار عالی میں ۵۰ تھی البتہ اپنا پورا وقت عدالت کے کام میں صرف کیا کرتے تھے باقی ۴۴ عہدہ داران مال جن کے اصلی فرائض تو محکمۂ مال سے متعلق تھے اور ضمناً عدالتی اختیارات بھی رکھتے تھے ان کو اپنے مالی فرائض سے کافی فرصت نہیں ملتی تھی نیز نصیحتوں کسی بے عنوانی کے ان پر صیغۂ عدالت کافی تدارک بھی نہیں کرسکتا تھا ان کا عزل و نصب محکمۂ مالگزاری کے اقتدار میں تھا ظاہر ہے کہ ایسے عہدہ دار جو نہ کافی وقت رکھتے ہوں اور جن پر صیغۂ عدالت پورا قابو رکھتا ہو وہ عدالتی فرائض بروقت و بلا شکایت کہاں تک انجام دے سکتے ہیں ایک دشواری اس انتظام میں یہ بھی تھی کہ عہدہ داران مال کے فرائض میں دورہ بھی داخل ہے اسلئے ان تعلقات کے تحصیلداروں کو جہاں کوئی منصف نہ تھا اور نیز مددگار تعلقداروں کو مقدمات عدالت کی پیشیاں بعض اوقات مقامات دورہ پر رکھنی پڑتی تھیں اور ایسی صورتوں میں اہلیان کو توالی وکلاء۔ گواہ۔ شاہد ملزم مستغیث سب کے سب کہدر تے ہوئے گاؤں گاؤں مارے مارے پہرتے تھے اور کبھی کبھی ان مصیبتوں کے جھیلنے کے بعد بھی مقدمہ کے پیش ہونے کی نوبت نہیں آتی تھی اور اہل مقدمات کو سخت مایوسی و ناکامی کے ساتھ واپس ہونا پڑتا تھا اس دوا دوش میں ملزمین کو اپنی بداعمالی کی ضرورت سے زیادہ سزا مل جاتی تھی گواہ جن کے کاروبار میں اس بھاگ دوڑ سے کھنڈت پڑجاتی تھی گواہی دینے سے توبہ کرتے تھے مستغیث مدعی اس کشاکش سے بیزار ہوکر انصاف سے ہاتھ دہو بیٹھتے تھے ملزمین زیر دریافت عرصہ تک حوالات میں پڑے رہتے تھے دوران مقدمات میں طوالت ہوتی تھی اور بالآخر عدالت کے تصفیہ کے بعد فریقین یہ کہتے سنائی دیتے تھے۔

جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے ۔ ہمارا سویرا ،،

اس طریقۂ عمل کا ایک صریحی نتیجہ یہ تھا کہ بادی دکار و باری لوگ عدالت میں جانے گھبراتے تھے ۔ ظالم مونچھوں پر تاؤ دیتے پھرتے تھے اور مظلوم رو پیٹ کر بیٹھ رہتے تھے نمایاں یہی وجہ تھی کہ اس سلطنت کی آبادی و زرخیزی کے اعتبار سے نہ یہاں عدالت کی آمدنی کافی تھی ۔ اور نہ مقدمات کی تعداد یا بالفاظ دیگر یہ کہا جاسکتا تھا کہ یہاں کی تجارت ولین دین کو فروغ اس وجہ سے نہیں ہوتا جیسا کہ اہل ملک عدالتوں میں جانے سے گھبراتے تھے اور وہ دس روپے کے دعوے کے لیے دس روپے خرچ کرنا اور مہینوں پریشان ہونا نہیں چاہتے تھے ۔

زمانہ کے نبض شناس ہمارے بادشاہ ظل اللہ نے ۱۳۲۰ ف میں اس طرف توجہ مبذول فرمائی اور اصلاح صیغہ عدالت کیلئے برٹش انڈیا کی عدالتوں کے زبردست تجربہ رکھنے والے ایک ماہر فن عالی جناب مرزا یار جنگ بہادر، آنریبل مولوی مرزا سمیع اللہ بیگ صاحب کو لکھنو سے طلب فرماکر حیدرآباد ہائیکورٹ کا چیف جسٹس مقرر فرمایا اور انکی پیش کردہ اسکیم و تجاویز بغور ملاحظہ فرماکر شاہانہ عزم و ملوکانہ استقامت کے ساتھ فرمان واجب الاذعان مئورخہ ۲۹ رشعبان ۱۳۳۹ھ تفریق اختیارات عدالتی کی نسبت صادر فرمایا اور اس طرح اپنی رعایا کی مشکلات کو خامۂ عنبر شمامہ کی ایک گردش سے آسان فرما دیا یہی وہ ارشاد ہے ۔ اور یہی وہ جنبش قلم ہے جس کی نسبت کہا گیا ہے ۔

تیر انداز سخن شانۂ زلف الہام
تیری رفتار قلم جنبش بال جبریل

باتباع حکم قضا شیم علاقہ سرکار عالی کے عہدہ داران مال کے پاس صرف انتظام وامن قایم رکھنے کی حد تک فوجداری اختیارات رہ گئے باقی تمام دیوانی و فوجداری اختیارات

عہدہ داران عدالت کے سپرد کردے گئے اور منصفین کو درجہ اول تک کے اختیارات عطا ہوئے چونکہ خالص عہدہ داران عدالت کی تعداد نہ تھی اس لئے ہر تعلقہ میں ایک ایک منصف کے حساب سے جو مجسٹریٹ بھی ہے جدید (۵۲) منصف مقرر کئے گئے اور منصفوں کی کلی تعداد (۹۴) ہوگئی ان کے علاوہ (۵) اڈیشنل ڈسٹرکٹ جج زائد ناظم بھی مامور کئے گئے ۔ اور اس طرح وہ انصاف جس کی تلاش میں دیہاتی دور دور تک نکل جاتے تھے اب انکے دروازہ پر موجود ہوگیا اللہ اکبر

ہر چند جنس عدل گراں بود در جہاں
ارزاں بہ مارسید بہ بازار آصفی

جیسے کہ قاعدہ ہے شروع شروع میں ہر اسکیم کی کامیابی و ناکامی کے متعلق پیشگوئیاں ہوا کرتی ہیں اس اسکیم کے بارہ میں بھی طرح طرح کی مایوسانہ پیشین گوئیاں کیجاتی تھیں اور بعض ارباب حل وعقد بھی اس کو ناقابل عمل تصور کرتے تھے ۔

عہدہ داران مال کو جو بہ حیثیت مجسٹریٹ ہمیشہ فوجداری اختیارات استعمال کرتے آئے تھے یہ اندیشہ ہوا کہ جب اختیارات عدالتی سے معرا ہوگئے تو ان کا رعب واثر بھی باقی نہ رہے گا ۔ اور ممکن ہے کہ حصول زر مالگزاری میں دقتیں لاحق ہوں یہ زمانہ بڑا نازک تھا اور موہومہ خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے سررشتہ عدالت کو عالیجناب نواب مرزا یار جنگ بہادر جیسے متحمل وجفاکش ومدبر حاکم کی ضرورت تھی خوش قسمتی سے اس وقت دیگر اراکین ہائیکورٹ عالیجناب نواب سراج یار جنگ بہادر وعالی جناب نواب جیون یار جنگ بہادر وغیرہم بھی ایسے تشریف فرما تھے جن کے حسن انتظام وتدبر سے تمام مشکلات حل ہوگئیں اور خطرات کی جو گھٹائیں عدالت پر چھائی ہوئی تھیں وہ سب چھٹ گئیں اور مطلع صاف ہو کر

آفتاب فضا سے ملک کو منور کرنے لگا اسکیم تفریق کی کامیابی تفصیل سے بیان کرنے کے لئے بڑے وقت کی ضرورت ہے اس لئے بہ نظر اختصار اس کی کامیابی ومفید ملک ہونے کے متعلق حسب ذیل صرف دو دلیلیں پیش کیجاتی ہیں ۔

الف تعداد مقدمات وآمدنی عدالت میں اضافہ

ب اہل ملک کا اعتماد موجودہ انتظام پر

دلیل اول کی نسبت یہاں چند موٹے موٹے عدد لکھدیئے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوگا کہ **حضرت اقدس واعلی کے عہد ہمایوں** میں دس گیارہ سال کے اندر عدالت نے کیا ترقی اس مدت میں اسکیم کے بعد کے چھ سات سال شامل ہیں ۔

۱۳۲۷ ف میں ممالک محروسہ سرکار عالی کے کل متدائرہ مقدمات دیوانی وفوجداری کی تعداد چہتر ہزار تین سو اڑتالیس تھی ۱۳۳۷ ف میں ایک لاکھ تئیس ہزار سات سو چوالیس ہوگئی تھی ۔ یعنی مرجوعہ میں فی صدی (۱) جمع مقدمات اضافہ کسیطرح ۱۳۲۷ ف میں دیوانی فوجداری کل مقدمات منفصلہ کی تعداد چونتیس ہزار چھ سو تھی ۱۳۳۷ ف میں ایک لاکھ اٹھائیس ہزار نو سو چھتیس مقدمے فیصل ہوئے گویا فی صدی (۴۴) کی پیشی ہوگئی یا یوں کہو کہ جہاں ایک سو مقدمے فیصل ہوتے تھے وہاں (۴۴) فیصل کئے گئے ۔

آمدنی کی یہ حالت ہے کہ ۱۳۲۶ ف میں عدالت کی آمدنی دس لاکھ اکسٹھ ہزار نو سو بیس روپیہ تھی ۱۳۳۷ ف میں بڑھتے بڑھتے سترہ لاکھ چونسٹھ ہزار ایک سو چھ انوتے ہوگئی اور اسطرح کوئی (۶۶) فی صدی رضا مند ہوا اس سے بڑھکر اسکیم کی کامیابی کا کوئی ثبوت نہیں ہوسکتا

امر دوم عدالت کے موجودہ انتظام پر اہل ملک کا اعتماد ہے جس کی کھلی ہوئی

بقیہ مضمون صفحہ (۷۴) پر ملاحظہ ہو

رعایت بتقریب سالگرہ مبارک اعلیٰ حضرت سلطان العلوم میر عثمان علیخاں بہادر آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ و دولتہ

تمدن ہند

ڈاکٹر لی بان کی کتاب فرنچ زبان کا ترجمہ اردو زبان میں

مترجمہ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی سید علی صاحب بلگرامی مرحوم

معہ ۱۹۳ تصاویر عکسی مطبوعہ لندن و دو نقشہ جات صفحات ۷۳۲

کاغذ درجہ اعلیٰ لکھائی چھپائی دیدہ زیب صرف ایک ماہ کے لئے

آخر رجب ۱۳۴۲ھ تک قیمت

بجائے ۱۰ کے (۵)

ملنے کا پتہ

عبد القادر تاجر کتب و مالک اعظم اسٹیم پریس گورنمنٹ ایجوکیشنل پرنٹرز چارمینار حیدرآباد دکن

THADE
MARK
Registerd
No 577
منیجر کارخانہ زندہ طلسمات